U14312 c 1209

tle - IQBAL NAAMA (Part - 2).

ator - Murattib Sheikh Ata ullah.

ublisher - Sheikh Mohd. Ashraf (Lahore).

ate - 1951

ages - 396.

ubjects - makatib - Iqbal ; Iqbal - makatib
Iqbal - Sawaneh.

اقبال نامہ حصۂ دوم

فہرست مندرجات

نوٹ - جن مکاتیب پر یہ * نشان بنا ہوا ہے وہ خطوط موجود ہیں - لیکن علی گڑھ سے بعض متعلقہ فائلوں کے ساتھ نہ آنے کی بنا پر ان احباب کے اسمائے گرامی جن کے نام وہ لکھے گئے تھے، تحریر نہیں کئے جا سکے - ان میں سے ایک صاحب محکمۂ مالیات حکومت پاکستان میں کام کرتے ہیں - ان سے اور دوسرے احباب سے بہ ندامت معذرت خواہ اور مستدعی ہوں کہ اقبال نامہ میں اپنے اپنے خطوط ملاحظہ فرمانے کے بعد مجھے ضروری مطلوبہ اطلاع دے دیں - ممنون ہوں گا - (مرتب)

ادارۂ اقبال

اقبال نامہ کی جلد اول، ادارہ اقبال علی گڑھ کے زیر اہتمام مرتب کی گئی تھی۔ ایک خاص پروگرام پیش نظر تھا جسے جنگ۔ فسادات اور تقسیم ہند کی وجہ سے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا جا سکا۔ پاکستان کی سرکاری اور غیر سرکاری بزم ہائے اقبال اور دوستداران اقبال کی ہمہ گیر کوششوں کے پیش نظر ادارہ اقبال کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا میرے لئے ممکن نہیں لہذا میری کوششیں اس منظم ادارہ کی رفاقتوں سے اب محروم ہیں۔

عطاء اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اقبال نامہ جلد دوم کی اشاعت کے ساتھ حکیم الامت فدائے رسولؐ اور عاشق ملت اسلامیہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم علمی و معنوی یادگار کی فراہمی و حفاظت کی خدمت ایک گونہ تکمیل کو پہنچی۔ اس خدمت کی طرف سے غفلت ہمیں آئندہ نسلوں کی نظر میں محسن ناشناسی کا مرتکب اور ہماری بدذوقی اور دُوں ہمتی کے لئے ہمیں موجب نفرین قرار دیتی۔ ان مکاتیب کی فراہمی کا ایک مقصد حضرت علامہ کی وفات کے بعد ان کی ایک ایسی کتاب کی اشاعت تھا جو تمام عمر اُن کے زیر تصنیف رہی اور جس سے ان کے کلام کی تشریح و وضاحت ہوتی ہے اور جس سے اُن کے افکار کے سمجھنے میں ہمیں مدد ملتی ہے لیکن میرا سب سے اہم مقصد سیرت نگار اقبال کے لئے ان کی ذات اور اُن کے افکار سے متعلق خود اُن کی قلمی شہادت مہیا کرنا تھا۔ افسوس! بارہ سال کے طویل عرصے میں ہماری محفل اقبال کے کتنے ہی دوستوں، شناساؤں، ندیموں اور مشیروں سے خالی ہو چکی ہے اور ان کی سیرت و افکار و کلام سے متعلق کتنا ہی قیمتی خزانہ معلومات ہمیشہ کے لئے ضائع

ہو چکا ہے۔ لیکن مقامِ تاسف ہے کہ ملت نے اب تک اس خادمِ ملت کے سوانح حیات کی ترتیب کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ خدمت اپنی انجام دہی کے لئے ایک اجتماعی کوشش کی محتاج ہے۔ حکومتِ پنجاب اور حکومتِ پاکستان کی بزم ہائے اقبال کو اس اہم خدمت کی طرف ایک لمحہ کے توقف کے بغیر اقبال کی سیرت نگاری کا کام متفقہ کوششوں سے شروع کر دینا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ دو برس کے اندر اُسے تکمیل تک پہنچانا چاہئے۔ اگر ہم اتنا بھی نہ کر سکے تو یومِ اقبال کے سالانہ ہنگامے ہمارے ذوقِ سلیم کے ماتم اور ہماری محسن ناشناسی کے مرثیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

مکاتیبِ اقبال کی فراہمی کا کام بادشاہ بخیر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شروع ہوا اور جلد اول جس میں ۲۶۷ خطوط ہیں ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ مکاتیب کی مزید فراہمی میں سہولت پیدا ہو۔ چنانچہ ایک حد تک ایسا ہوا بھی۔ لیکن جنگ نے ہر طرح کی مشکلات کو دوبالا کر دیا۔ جنگ کے خاتمہ پر ملک میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تقسیمِ ہند کے بعد اور آزادی کے جلو میں آنے والے ہنگامۂ رستخیز میں دوسری کتنی ہی قیمتی یادگاروں کے ساتھ اقبالؒ کے مکاتیب کے وہ ذخیرے جن پر میری نظر تھی، بظاہر ہمیشہ کے لئے ضائع ہو گئے اور کتنے ہی نادر ذخیرے جن کا ہمیں علم نہ تھا اور جو اپنے وقت پر کسی نہ کسی طریق سے ضرور ظاہر ہوتے، اب بظاہر تلف ہو چکے ہیں۔ اس

لئے جو کچھ ہو سکا، وجہ مسرت ہے۔ جو کچھ رہ گیا وہ موجب صد ہزار حسرت۔

حصہ اوّل میں مکاتیب پر کوئی تبصرہ نہ تھا۔ حصہ دوم کی تکمیل و اشاعت پر اظہارِ خیال کا وعدہ تھا۔ بعض احباب نے اس عرصہ میں مکاتیب حصہ اوّل کی روشنی میں اقبالؒ کی سیرت پر طبع آزمائی بھی فرمائی۔ اب میں سمجھتا ہوں، ان خطوط کے تعارف کے طور پر مرتب مکاتیب پر چند سطور لکھنے کی ذمہ داری ضرور عاید ہوتی ہے۔

جو خطوط حاصل ہو سکے، بلا کم و کاست شامل مجموعہ کر لئے گئے ہیں۔ ہر شخص اپنے مذاق و جستجو کے مطابق اُن میں اپنی تسکین کا سامان مہیا پائے گا۔ کس کے لئے کونسے خطوط اور ان میں کون سی شے جاذب توجہ ہوگی، ہمارے واردات قلبی اور سطح ذہنی پر موقوف ہے۔ بچہ باغ میں پہنچ کر پھولوں کے رنگ سے مسحور ہو کر بے تابانہ انہیں توڑ لینے کے لئے دوڑتا ہے۔ مرغِ چمن نغمہ پر مجبور ہوتا ہے۔ شاعر کے دل و دماغ میں ایک وجد انگیز کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ عورت رنگ کے ساتھ ساتھ بُو کی تلاش بھی کرتی ہے۔ صوفی قدرت خدا کا مشاہدہ کرتا ہے ماہر نباتات پھولوں میں زندگی کا مطالعہ کرتا ہے۔ مکھی شہد کا ذخیرہ جمع کرتی ہے۔ رات کو آسمان پر کسان بادل تلاش کرتا ہے۔ ماہر فلکیات ستاروں اور سیاروں کی حرکات پر نگاہ رکھتا ہے۔ شاعر کا دل ان قندیلوں کی روشنی سے جگمگا اُٹھتا ہے۔ منجم افراد و اقوام کی قسمت کے

سربستہ رازستاروں میں تلاش کرتا ہے۔ تہجد گزار اُن کی چھاؤں میں روحانی طمانیت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے متعلق معلومات کی طلب و تمنا امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے گی، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک چوتھائی صدی بعد ان مکاتیب کے پڑھنے والوں کی نگاہ میں کونسی چیز زیادہ محبوب ہوگی۔ لہٰذا میں نے اُن خطوط کو بھی اس مجموعہ میں شامل کرلیا ہے جو آج بعض دوستوں کی نظر میں قطعاً غیر اہم ہیں۔ عین ممکن ہے کل وہی خطوط بڑے معرکے کی چیز ثابت ہوں اور کتنے ہی اہم مسائل کا فیصلہ اُن کی روشنی میں کیا جا سکے۔

دنیا کو آج بھی اقبال سے متعلق معلومات کی اس قدر طلب و تلاش ہے کہ عقیدتمندانِ اقبال ان کے افکار و اقوال کی ہر جھلک بھی محفوظ کرلینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دوست نے بعد از سعیِ بسیار مجھے پانچ سال کے پرچہ جاتِ مضمون نویسی کی نقل مہیا کی ہے جو علامہ مرحوم نے حیدرآباد سول سروس کے امتحان کے لئے مرتب فرمائے تھے۔ میں سمجھتا ہوں "اقبال کے افکار کی نوعیت و اہمیت سمجھنے کے لئے اُن کا جاننا بھی سودمند ہے اور میں اپنے آپ کو اس پر رضامند نہیں پاتا کہ عقیدتمندانِ اقبال کو اقبال کے ذہن و روح کے ان ہنگاموں سے بے خبر رکھا جائے۔

مضامین حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) مشرق میں جمہوریت کے لئے جد و جہد۔ اُس کی موجودہ کیفیت اور اس کا مستقبل۔
(۲) تاریخ بحیثیت ایک علم کے۔
(۳) ادبی تنقید اور اس کے مقاصد۔
(۴) اجتماعی زندگی میں صاحب فکر افراد کی اہمیت۔
(۵) ہندی تہذیب اس کے سیاسی عناصر اور اس کا تدریجی ارتقاء۔
(۶) افتراقِ مذہب و سیاست۔
(۷) افغانوں اور مغلوں کی طاقت آزمائی ہندوستان میں۔
(۸) عورت اور تمدنِ جدید۔
(۹) صحیح انسانی تہذیب مادی اور روحانی علوم سے متشکل ہوتی ہے۔
(۱۰) میر انیس مرحوم۔
(۱۱) فارسی ادبیات کا اثر اُردو شعرا پر۔
(۱۲) قومیت کا تصور زمانہ حاضرہ میں۔
(۱۳) ممالک ایشیا میں سیاسی انقلاب اور اس کا مستقبل۔
(۱۴) توہم پرستی اور حیاتِ اجتماعی کا ارتقاء۔
(۱۵) طبیعی اور ما بعد الطبیعی۔ (۱۶) تصوف کی چاشنی اُردو شعر میں۔
(۱۷) تہذیب اقوام کے مادی اور نفسیاتی مؤثرات۔
(۱۸) مشرقی اقوام کو مغربی تہذیب کی تنقید کی ضرورت ہے، اس کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

(۱۹) شخصی امامت سیاسیات میں۔
(۲۰) سرمایہ داری کا موجودہ نظام اور اس کے نتائج۔
(۲۱) پھانسی کی سزا اُڑا دینی چاہیئے۔
(۲۲) جیل خانوں کی اصلاح۔
(۲۳) بولنے والی تصاویر اور اُن کا اثر عام تمدّن پر۔
(۲۴) ہندوستان کے افلاس کے وجوہ۔
(۲۵) اُردو میں ڈرامہ کیوں کامیاب نہیں ہو سکا۔
(۲۶) اگر سونا کیمیاوی طریق سے بن جائے؟
(۲۷) جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں اُنہیں مذاقِ سخن نہیں ہے۔
(۲۸) غزل: ابتدائے شاعری بھی ہے اور انتہائے شاعری بھی۔

ڈاکٹر براؤن کا قطعۂ وفات

ڈاکٹر براؤن کیمبرج کے مشہور مستشرق تھے۔ انہوں نے فارسی میں دسترس حاصل کی۔ ادبِ ایران اور انقلابِ ایران جیسی شہرۂ آفاق تصانیف کے علاوہ اپنے مطالعہ کی بنا پر اسلام سے ایک گونہ عقیدت رکھتے تھے اور جب اور جہاں کہیں ممکن ہُوا، انہوں نے مسلمانوں کی اعانت میں اپنی آواز بلند کی۔ پروفیسر براؤن کی وفات پر اقبال نے تین اشعار کا ایک قطعہ لکھا۔ جس کی نقل اسرارِ خودی کے انگریز مترجم ڈاکٹر نکلسن کے کاغذات سے خود اُن کے ہاتھ کی لکھی

ہوئی اُن کی وفات کے بعد مجھ تک پہنچی ہے۔

ارباب بصیرت کی نظر میں اقبال کا قطعہ اور نکلسن کی فارسی تحریر کا نمونہ دونوں نوادر میں سے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے، اقبال کا براؤن کو یہ خراجِ تحسین اس ملک میں آج تک شائع نہیں ہوا اور اُن کے مطبوعہ کلام میں موجود نہیں۔ لیکن اس قابل ہے کہ اُسے محفوظ کیا جائے۔ نقل حسبِ ذیل ہے۔ ایک چھوٹا سا کاغذ ایک لفافہ میں بند ہے۔ لفافہ پر انگریزی زبان میں "قطعۂ وفات پروفیسر براؤن از اقبال" لکھا ہے:-

قطعۂ تاریخ وفات پروفیسر ای۔ جی براؤن اعلی اللہ معادہٗ

نازشِ اہلِ کمال ای، جی براؤن
فیض او در مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتمِ او سینہ چاک
از فراقِ او دلِ مشرق دو نیم
تا بفردوسِ بریں ماوٰی گرفت
گفت ہاتف ذالک الفوز العظیم
۲۶ ۷ ۱۹

محمد اقبال

اسی طرح علی گڑھ میں میں نے اقبال کی کسی تصنیف پر مولانا محمد علی جوہر کا قطعۂ وفات جو انتہائی دلسوزی اور جذبۂ روحانی کے ماتحت لکھا گیا تھا نقل کر رکھا تھا۔ وہ بھی مطبوعہ کلام میں موجود نہیں اور بڑا ظلم ہوگا اگر اُسے علامہ کے کلام میں مستقل جگہ نہ دی جائے۔ ؎

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ
تا مژہ برہم زنیم از ماہ و پروین در گزشت

اے خوشا مشتِ غبارِ او کہ از جذبِ حرم
از کنارِ اُندلس و از ساحلِ بربر گذشت

خاکِ قدس او را بہ آغوشِ تمنا در گرفت
سُوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

می نہ گنجد جز بہ آں خاکے کہ پاک از رنگ و بُوست
بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بہ چشمِ آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہ ِ خاور از خاور گذشت

ان خطوط کے مطالعہ کے بعد اقبال کی ذات سے متعلق جو امتیازات مجھے نظر آئے ہیں، اُن میں ان کا خلوص، ان کی علم دوستی، اسلام سے ان کی شیفتگی، ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ان کی دلسوزی، اور اصلاحِ حال پر ان کی کوشش۔ ممالکِ اسلامیہ کے اتحاد و استقلال و استحکام کی تجاویز اور کوشش، اہل و عیال سے محبت، دوستوں کے لئے

جذبۂ مروّت اور عالمِ انسانیت کے لئے فلاح و خیر سگالی کے جذبات نمایاں ہیں۔ ان میں سے چند کے متعلق اشارات پر اکتفا کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اقبال کو سمجھنے کے لئے اُن کے کلام کی طرح ان کے خطوط کا مطالعہ بھی دوستدارانِ اقبال کے لئے لازمی ہے۔

خلوص

اقبال کی زندگی سراپا خلوص تھی اور ان خطوط میں اس کی لفظی و عملی شہادتیں کثرت سے موجود ہے۔ وہ دوستوں کے دُکھ درد میں اُن کا شریک اور ان کی امداد و اعانت پر کمربستہ ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی مروّت کے لئے دلی اور دائمی احسانمندی اس کا خاصہ ہے۔ عطیہ بیگم اس امر پر اظہارِ تاسف کرتی ہیں کہ شمالی ہندوستان میں اقبال کو عوام میں وہ عقیدت اور قدر و منزلت حاصل نہیں جس کا وہ حقدار ہے۔ جواب میں لکھتے ہیں:

"لوگ ریاکاری سے عقیدت رکھتے ہیں اور اسی کا احترام کرتے ہیں۔ میں ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتا ہوں اور منافقت سے کوسوں دور ہوں۔ اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لئے وجہ حصولِ احترام و عقیدت ہو سکتی ہے تو خدا کرے میں اس دنیا سے ایسا بے تعلق اور بیگانہ ہو جاؤں کہ میرے لئے کبھی آنکھ اشکبار اور ایک بھی زبان نوحہ خواں نہ ہو۔"

لیکن اقبال کی زبان حقیقت ترجمان پر حق ضرور جاری ہو جایا کرتا تھا چنانچہ ۱۹۰۹ء میں عطیہ بیگم ہی کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

اگر وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں طوفان بپا کئے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہو جائیں تو مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہو گی۔ دُنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کریگی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔"

اقبال کے قلبِ باصفا اور زبانِ بے ریا سے نکلے ہوئے یہ کلمات کتنے سچّے ثابت ہوئے اور اس کی وفات پر ایک دنیا نے اُسے آہوں اور آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کیا اور آج ؎

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمّت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

(اقبال)

مہاراجہ سرکشن پرشاد سے بہت عرصہ اقبال کی خط و کتابت رہی۔ اقبال کی نیازمندی اور حفظِ مراتب کی شان ابتدا سے انتہا تک یکساں رہی۔ اقبال کے جاننے والے حیران ہیں کہ آخر اس ہندو رئیس میں کیا خوبی تھی جو اقبال اس کا گرویدہ ہو گیا۔ حضرت علّامہ کے ایک ندیمِ خاص نے تو ایک

پرائیویٹ گفتگو میں یہاں تک فرمایا کہ اقبال نے کبھی مہاراجہ سے تعلقات کا اشارۃً بھی ذکر نہیں فرمایا تھا۔ لیجئے اقبال کی زبانی اس رابطہ کی نوعیت ملاحظہ فرمائیے۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں مہاراجہ بہادر کو لکھتے ہیں :

"مجھے جو خلوص سرکار سے ہے، اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے۔ مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمدللہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں اور نہ انشاءاللہ ہوگا۔ انسانی قلب کے لئے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاءاللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔"

اسی خط میں لکھتے ہیں :

"انہیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے۔ مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔"

اس سے ایک پہلے خط میں مہاراجہ کو لکھتے ہیں :

"الحمدللہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے۔ اقبال کا شعار

ہمیشہ محبت و خلوص سے ہے اور انشاء اللہ رہیگا ۔ اغراض کا شائبہ
خلوص کو مسموم کر دیتا ہے اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و
بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصود اعلیٰ و اسنیٰ ہے ۔"
اسی خلوص و بے ریائی کا نتیجہ تھا کہ یہ ہندو مہاراجہ جن کی حیثیت کتنے
ہی ہندو والیانِ ریاست سے بڑھ کر تھی ، اقبال کو اپنی بیٹیوں کے رشتے
کی تلاش کی دوستانہ فرمائش کرتا ہے اور اقبال اس دوستانہ اعتماد کا پورا
پورا عملی احترام کرتے ہیں ۔

اقبال نامہ کی دونوں جلدوں میں جا بجا ایسے شواہد موجود ہیں کہ اقبال
نے کبھی کسی دوست کو کسی دوسرے دوست یا بیگانے کے متعلق ایسی بات
نہیں لکھی جو براہِ راست اُسے لکھنے یا کہنے پر آمادہ نہ ہوں ۔

تہجد ۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اور "نماز بے حضور از من نیاید" کہنے والے اقبال اپنے خلوص بے ریائی
کی بدولت ہی جب موقع پیدا ہو گیا ، تو اپنے ایک ہندو دوست کو جس کے
متعلق یقین ہے کہ وہ اس راز یا حقیقت کو عام نہیں کریگا تاکہ اس سے
اقبال کو شہرت حاصل ہو ، سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں :-

"سردی آ رہی ہے ۔ صبح چار بجے ، کبھی تین بجے اُٹھتا ہوں اور
پھر اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلے پر اونگھ جاؤں ۔"

سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک دوسرے خط میں مہاراجہ کو لکھتے ہیں:
"سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سُن کر متردد ہُوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحت عاجل کرامت فرمائے۔ انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دُعا کروں گا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندہ رُوسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لئے اُٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گذر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کرونگا کہ اس وقت عبادت الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے۔"

قبولِ تنقید و اصلاح

اقبال نے شاعری سے ہمیشہ بیزاری کا اعلان کیا۔ لیکن اُسے اپنے خیالات کی اشاعت کا ایک مقبول ذریعہ سمجھتے ہوئے اختیار کئے رکھا۔ شاعر فطرۃً حساس ہوتے ہیں۔ مصنف۔ مصور۔ شاعر اور ہر صاحب فن کے لئے اس کے کمالِ ہنر کی داد سب سے بڑی مسرت اور اس کے فن پر تنقید اُس کے لئے انتہائے اذیت کا موجب ہُوا کرتی ہے اور شاعر حضرات بالخصوص ؏

نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

کے مصداق ہُوا کرتے ہیں۔ اقبال ایک طبع سلیم لے کر پیدا ہوئے تھے۔

تنقید و اصلاحِ کلام کے بارے میں بھی ان کا رویّہ سلامتی، انکساری، حصولِ علم اور استفادہ ہی کا رہا اور اپنے کلام پر اعتراضات کو انہوں نے خندہ پیشانی اور دلی شکریہ سے قبول فرمایا۔

۱۹۰۳ء میں مولوی حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کو اپنے اشعار پر تنقید موصول ہونے پر لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ آج مجھے اپنے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی داد مل گئی۔ آپ کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ترک کر دیں۔ اگرچہ جلسے میں ہر طرف سے لوگ حسبِ معمول ان کی تعریف کرتے تھے۔ مگر جو مزا مجھے آپ کی داد سے ملا ہے، اُسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ نظرِ ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔"

مولوی سید سلیمان ندوی کو جن کے علم و فضل اور خدماتِ دینی کا اقبال کو مخلصانہ اعتراف و احترام تھا، لکھتے ہیں:

"معارف میں ابھی آپ کا ریویو مثنوی رموزِ بیخودی پر نظر سے گزرا ... آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہوگا۔ لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجّہ کرتے تو آپ کا ریویو میرے لئے مفید ہوتا۔ اگر آپ نے غلط الفاظ

اور محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کر کے مجھے اُن سے آگاہ کیجئے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو جائے "

ایک دوسرے خط میں اپنی لغزشوں پر آگاہی کے لئے تقاضا کرتے ہیں :

"رموز بیخودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا ۔ اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہو گیا ۔ اُمید کہ توجہ فرمائی جائیگی ۔ تاکہ میں دوسرے ایڈیشن میں آپکے ارشادات سے مستفید ہو سکوں "

اس تقاضے کے جواب میں جو طویل تنقید صحت الفاظ و محاورات اور بعض اشعار کی نوعیت سے متعلق موصول ہوئی ۔ اس پر سید صاحب موصوف کو اپنے مطالعہ کی بنا پر لکھتے ہیں :۔

" مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں ۔ مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا ، نظر انداز کرتا ہوں ۔ البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھ دوں گا "

اور پھر کس قدر انکسار اور طالب علمانہ جستجو اور احترام کے انداز میں لکھا ہے :

" محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں نے غلط مثالیں تو نہیں انتخاب کیں "

اجازت موصول ہونے پر اعتراضات کے جواب میں مثالوں میں اساتذہ

کے اشعار بطور سند پیش کئے ہیں۔ محض ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ خیال ہے سید صاحب کا ذوقِ شعر اس شعر کو پڑھ کر ایک مرتبہ تو وجد میں آ ہی گیا ہوگا۔ علامہ نے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق مثنوی میں لکھا تھا ؎

کور ذوقاں داستانہا ساختند
وسعتِ ادراکِ او نشناختند

اقبال سید صاحب کو لکھتے ہیں "کور ذوق" کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے۔" اس کے جواب میں یہ سند پیش کرتے ہیں:

چہ غم زیں عروس سخن را بستر
کہ ہر کور ذوقاں شود جلوہ گر (ظہوری)

محمد احمد خاں صاحب نے دو ایک اشعار کے معانی کی وضاحت چاہی اور لکھا کہ ان کے دوستوں کو

تید دستور سے بالا ہے مگر دل میرا
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا

کے مصرعہ دوم بالخصوص لفظ "نازل" پر اعتراض ہے جس کے معنے اوپر سے نیچے آنے کے ہیں۔ لہٰذا فرش سے عرش پر نازل ہونا صحیح نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے دو اشعار کے متعلق تو جواب لکھا۔ مگر اس اعتراض کے متعلق لکھا "تیسرے سوال کا جواب ذوقِ سلیم سے پوچھئے نہ مجھ سے نہ منطق سے نہ کسی ماہرِ زبان سے۔"

آل احمد سرور صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی نے اپنے چند شکوک تحریر فرمائے۔ انہیں لکھتے ہیں:

"میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائق اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر آپ پورے غور و توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے، آپ انہی نتائج تک پہنچیں جن تک میں پہنچا ہوں۔ اس صورت میں غالباً آپ کے شکوک تمام رفع ہو جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کا View مجھ سے مختلف ہو یا آپ خود دین اسلام کے حقائق ہی کو ناقص تصور کریں اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ نہیں معلوم کیا ہو۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو میں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائیں گی۔"

ایک عقیدت مند علامہ کی ایک پرانی نظم پر کسی کی تنقید کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو اغلاط کتابت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نقاد کی نظر سے نظم کے حقیقی استقام البتہ پوشیدہ رہے شعر محاورہ اور بندش کی درستی اور چستی ہی کا نام نہیں میرا ادبی نصب العین نقاد کے نصب العین سے مختلف ہے۔"

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے ہمیشہ تنقید کا خیر مقدم کیا ہے اور اعتراض کو سمجھنے اور جواب کے سمجھانے میں عالی حوصلگی سے کام لیا ہے۔ ایک مرتبہ جب کسی نااہل نے علامہ کے کلام میں اصلاح کی جرأت کی تو علامہ نے اپنے اندازِ خاص میں اُن کے ارشاداتِ عالیہ کا جواب لکھا۔ بابو عبدالمجید صاحب کو ۱۹۰۲ء میں لکھتے ہیں :۔

"یہ کوئی صاحب چھوٹے شملہ سے میری غزل کی اصلاح کر کے ارسال کرتے ہیں۔ میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کیجئے۔ اور عرض کیجئے کہ بہتر ہو اگر آپ امیر و داغ کی اصلاح کیا کریں مجھ گمنام کی اصلاح کرنے سے آپ کی شہرت نہ ہوگی۔ میرے بے گناہ اشعار کو جو حضرت نے تیغِ قلم سے مجروح کیا ہے اس کا صلہ انہیں خدا سے ملے ۔۔۔۔ اُمید ہے وہ بُرا نہ سمجھیں گے اکثر انسانوں کو کچھ تنہائی میں بیٹھے بیٹھے ہمہ دانی کا دھوکا ہو جاتا ہے۔"

"اشعار کو تیغِ قلم سے مجروح" کرنے کی ترکیب سے مجھے حضرت علامہ کے اُستادِ گرامی مولوی میر حسن صاحب کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ جو دورانِ ملازمت مرے کالج میں انہوں نے مجھ سے بیان فرمایا تھا۔ سیالکوٹ کے ایک مشہور شاعر جو اپنے آپ کو اقبال کا حریف سمجھتے تھے۔ اور آبائی پیشہ کے لحاظ سے قصاب تھے۔ مولوی صاحب کی خدمت میں ایک غزل لے کر حاضر ہوئے اور ملاحظہ کی فرمائش کی۔ مولوی صاحب نے غزل

دیکھی اور خاموش رہے۔ شاعر کا دل داد کے لئے گدگدا رہا تھا۔ مولوی صاحب سے پوچھا۔ اپنی رائے گرامی بھی فرمائیے کیا ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا "میرے دوست! کیا کہوں، آپ نے شاعری کا جھٹکا کر دیا ہے!"

تحفۂ کلام و دادِ سخن

اقبال عمر بھر شاعری سے انکار کرتے رہے لیکن کسی صاحب ذوق اور سخن فہم کو ان کی رنگین نوائی اور جادو بیانی سے یارائے انکار نہیں۔ اپنے شعر کی شوکت و عظمت اور تاثیر و قوت کا ان کو کس قدر صحیح اندازہ تھا۔ ؎

باغباں زور کلامم آزمود
مصرعے کارید و شمشیرے درود

شاعر کے کلام کی داد کے لئے سخن فہمی کو جو اہمیت حاصل ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے منشی سراج الدین صاحب کو ۱۹۱۵ء میں لکھا:

"الحمد للہ کہ آپ کو مثنوی پسند ہوئی۔ آپ ہندوستان کے اُن چیدہ لوگوں میں سے ہیں جن کو شاعری سے طبعی مناسبت ہے اور اگر نیچر ذرا فیاضی سے کام لیتی تو آپ کو زمرۂ شعرا میں پیدا کرتی۔ بہرحال شعر کا صحیح ذوق شاعری سے کم نہیں۔ بلکہ

کم از کم ایک اعتبار سے اس سے بہتر ہے۔ محض ذوق شعر رکھنے والا شعر کا ویسا ہی لطف اٹھا سکتا ہے جیسا کہ خود شاعر۔ اور تصنیف کی شدید تکلیف اسے اٹھانی نہیں پڑتی۔"

شاعری میں اقبال کی پوری عمر گذری اور اس کی شاعری نے دنیائے اسلام میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اقبال نے کون کون سے شعر دوسروں کے پسند کئے اور اپنے کون کون سے اشعار اہل ذوق کی خدمت میں لطف اندوزی کے لئے پیش کئے، مکاتیب اقبال میں ملاحظہ فرمایئے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

سید سلیمان ندوی کے شعر

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگ گلو میں ہے

کی دل کھول کر داد دی ہے۔ گرامی کے شعر

ماہ را بر فلک دو نیم کند
فقر را تیر کمانے ہم است

کے مصرعہ ثانی کو خاص طور پر پسند فرمایا اور دہرایا ہے۔ لسان العصر کو لکھتے ہیں:

"آپ کا مصرعہ لاجواب ہے ....."

معارف میں کسی ہندو شاعر کا شعر نظر سے گزرا:

بس کہ از شرم تو در پرواز رنگ گلشن است
رشتۂ نظارہ بند دو در ہوا گلدستہ را

اور کچھ عرصہ ہوا ، خیابانِ تخیل میں کسی نے ایک نہایت عمدہ شعر لکھا تھا۔

شب چو اندازِ ہم آغوشیِ او یاد کنم
خویش را تنگ بہ بر گیرم و فریاد کنم

نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں اور عنوان مکتوب گرامی کا یہ شعر ہے :

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

"شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا ہے۔ سبحان اللہ ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیئے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف ، فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا ..... اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں ، شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔"

حضرت علامہ کو اپنے کلام میں سے کچھ اشعار پسند تھے جنہیں وہ شذرةً ارباب ذوق اور سخن فہم دوستوں کو بھیجتے تھے۔

مولانا اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں :

"سیدھے سادے آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہے۔ عبدالماجد صاحب نے جو شعر آپ کا پسند کیا ، نہایت خوب

ہے۔ میں نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا تھا:

گُل تبسّم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

مولانا اکبر ہی کی خدمت میں ایک دوسرے خط میں چند اشعار ارسال فرماتے ہیں:

فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت — چراغ راہ حیات است جلوۂ امید
بیار بادہ کہ گردوں بکام ما گردید — مثال غنچہ نواہا ز شاخسار دمید

مقطع لاجواب ہے اور ان کی اس زمانے کی ذہنی کیفیت اور ماحول کا آئینہ دار۔

نوا ز حوصلۂ دوستاں بلند تر است
غزل سرا شدم آنجا کہ کس نشنید

مولانا اکبر ہی کو لکھتے ہیں:

"مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں جو دو یا تین ماہ ہوئے لکھے تھے۔ عرض کرتا ہوں:

در جہاں مانند جوئے کوہسار — از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثال سیل بے زنہار خیز — فارغ از پست و بلند راہ شو

حضرت گرامی کو سنہ ۱۹۱۰ء میں لکھتے ہیں:

"آپ نے ایک غزل لکھی تھی، فرسنگ است، تنگ است۔ اسی زمین ایک استاد کا شعر نہایت پسند آیا:

ہلاک شیشۂ در خوں نشستۂ خویشم
کہ آخرین نفسش عذر خواہی سنگ است

سرکشن پرشاد کو لکھتے ہیں:

"حال ہی میں ایک اُردو غزل لکھی تھی۔ اس کے ایک دو شعر ملاحظہ کے لئے لکھتا ہوں:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل　　عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کُود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی　　تو ہے زنّاریٔ بُت خانۂ ایام ابھی

مہاراجہ ہی کو ایک دوسرے موقعہ پر مضمون اور مہاراجہ کی مناسبت سے کیا برمحل لکھتے ہیں:

"بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں، بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے:

بہ یزداں روز محشر برہمن گفت　　فروغ زندگی تاب شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم　　صنم از آدمی پائندہ تر بود"

مہاراجہ ہی کو لکھتے ہیں:

"کیا دلکش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے:

بزمے کہ دراں سفرہ کشند جلوۂ دیدار
کونین غبارے است کہ از بال مگس ریخت

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی ایڈیٹر عبرت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مضمون کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے ان کی زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دئے ہیں:

ہمت او کشتِ ملّت را چو ابر
ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر

مولوی الف دین صاحب کے دو اشعار میں اصلاح تجویز فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

"باقی اشعار نہایت عمدہ اور صاف ہیں۔ مثنوی اسرارِ خودی کے دوسرے حصّہ کا قریب پانچ سو شعر لکھا گیا ہے۔ مگر ہاتف کبھی کبھی دو چار ہوتے ہیں اور مجھے فرصت کم ہے۔ امید کہ رفتہ رفتہ ہو جائیں گے۔ ہجرت کے مفہوم کے متعلق جو چند اشعار لکھے ہیں عرض کرتا ہوں، تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ یہ کیا چیز ہوگی" اس کے بعد ۱۲۔ اشعار لکھے ہیں۔

حضرت علّامہ کو عالمگیرؒ سے خاص عقیدت تھی۔ جس پر مثنوی میں اُن کی فارسی نظم اہلِ ذوق کے لئے ایک وجد انگیز تحفہ ہے۔ ۱۹۱۵ء میں سفرِ حیدر آباد میں علّامہ مزارِ عالمگیر پر حاضر ہوئے اور ایک نظم لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اُس زمانے میں شاعری سے بیزاری بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن عالمگیرؒ کے کردار کا احترام ہدیۂ عقیدت کا طالب تھا۔ عطیہ بیگم کو لکھتے ہیں:

"مجھ میں اب شاعری کے لئے کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ ایسا محسوس

کرتا ہوں کہ کسی نے میری شاعری کا گلا گھونٹ دیا ہے اور میں
محروم تخیل کر دیا گیا ہوں۔ شاید حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ پر
جن کے مرقد منور کی میں نے حال ہی زیارت کی سعادت حاصل
کی ہے، میری ایک نظم ہوگی جو میرے آخری اشعار ہوں گے۔
اس نظم کا لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں میرا خیال ہے اگر مکمل
ہو گئی تو کافی عرصہ تک زندہ رہیگی۔"

اسی سلسلہ میں حضرت علامہ کے بڑے بھائی کی عقیدت ملاحظہ فرمائیے
اقبال لسان العصر اکبر کو لکھتے ہیں:

"عالمگیر علیہ الرحمۃ کے مزار پاک پر حاضر ہوا تھا۔ میرے بڑے
بھائی بھی ساتھ تھے، کہنے لگے: "میں قنات کے اندر نہ جاؤں گا
(مزار کے گرد قنات تھی) کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے۔"

لسان العصر کو لکھتے ہیں:

"فی الحال مثنوی کا دوسرا حصہ بھی ملتوی ہے۔ مگر اس میں عالمگیر
اورنگ زیب کے متعلق جو اشعار لکھے ہیں، اُن میں سے ایک
عرض کرتا ہوں:

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

پروفیسر اکبر منیر کو لکھتے ہیں:

"اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں، نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص

"مسلمانے نمی بینم، نے تو مجھے رُلا دیا"

ایک دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

"آپ کا قیام ایران یقیناً آپ کے لئے نہایت سود مند ثابت ہُوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوت اور جلا آ گئی ہے"

دعوتِ شعر گوئی یا مصرعہ بندی کی ایک ہی مثال مکاتیب اقبال میں ملتی ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں:

"کئی دن سے ایک مصرعہ ذہن میں گردش کر رہا ہے۔ اس پر اشعار لکھئے یا اس پر مصرعہ لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرعہ ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا:

ایں سرِ خلیل است بآذر نتواں گفت

مکاتیب میں جا بجا اشعار سے متعلق دلچسپ اشارات ملتے ہیں۔ اس سلسلہ کو علامہ کی تحریر پر جو انہوں نے علامہ کیفی چڑیاکوٹی کو لکھی، ختم کرتا ہوں جس سے اہلِ علم سے علامہ کی عقیدت ظاہر ہوتی ہے:

"آپ کی مرسلہ نظم پہنچی۔ میری عزت ہوئی۔ میں اس پر کیا اظہارِ خیال کروں۔ ہم لوگ آپ کے زلہ رُبا ہیں۔ آپ کے خاندان سے ایک عالم فیضیاب ہے اور آپ کی ذات سے ہو رہا ہے۔ آپ ہمارے رہنما ہیں"

مصنفین کی حوصلہ افزائی و رہنمائی

اقبالنامہ کی دونوں جلدوں کا صفحہ صفحہ اس پر شاہد ہے کہ علامہ مرحوم ایک علم دوست اور علم پرور بزرگ تھے اور یہی ان کا محبوب مشغلہ تھا، اگر انہیں فارغ البالی نصیب ہوتی تو وہ ملت کی خدمات علمی و دینی کی انجام دہی میں اس عہد میں بے مثال ہوتے۔ اس پر بھی جو کچھ انہوں نے کیا۔ ان کے حالات کے پیش نظر حد درجہ اہم اور ان کے ذوق و انتاد طبیعت کا پتہ دیتا ہے۔

اقبال نے سنہ ۱۹۰۳ء میں "علم الاقتصاد" کے نام سے اُردو میں اکنامکس پر سب سے پہلے کتاب تیار کی۔ مجھے اس مضمون کے معلم کی حیثیت سے اور اس مضمون کو اپنی زبان میں منتقل کر دینے کی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے دیکھنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ جب لاہور سے احباب نے اس کتاب کے مہیا کرنے سے اپنی معذوری ظاہر فرمائی تو میں نے کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں جستجو شروع کی۔ کتاب مل گئی۔ اور میں نے بعد مطالعہ اُسے "کتب محفوظہ" میں داخل کرا دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت علامہ کی قابلیت اور خدمت اُردو کی صلاحیت کا جو اندازہ [illegible] ہوا، وہ اُن حضرات کو ہرگز نہیں ہو سکتا جنہیں اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ اس میں اولیت کا شرف علامہ ہی کو حاصل [illegible] تھی، اس پر گامزن ہونا

چنداں مشکل نہ تھا۔ تاہم جب ۱۹۱۷ء میں علی گڑھ سے پروفیسر الیاس برنی کی کتاب 'علم المعیشت' شائع ہوئی تو اقبال نے جو داد مصنف کو دی، وہ اقبال کی دیدہ وری، حوصلہ، علم دوستی اور عظمت کی سرمایہ دار ہے۔ مصنف کو لکھتے ہیں:

"آپ کی تصنیف اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ اُردو زبان میں علم الاقتصاد پر یہ پہلی کتاب ہے اور ہر پہلو سے کامل"

مولوی غلام قادر صاحب فصیح مصنف 'تاریخ اسلام' کو لکھتے ہیں:

"خود مجھ پر جو اثر اس کے مطالعہ سے ہوتا ہے، اس کا اظہار میں اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پُرآب ہو جاتا ہوں۔ اس کا اثر میرے دل پر کئی کئی دن رہتا ہے"

ظہور الدین مہجور کو لکھتے ہیں:

"مجھے یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ آپ تذکرۂ شعرائے کشمیر لکھنے والے ہیں۔ میں کئی سالوں سے اس کے لکھنے کی تحریک کر رہا ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ کسی نے توجہ نہ کی۔ کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر میں فارسی شعر کی تاریخ لکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ثابت ہوگی۔ اگر کبھی خود کشمیر میں یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان کے نصاب میں اس

کا کورس ہونا یقینی ہے۔"

اللہ اللہ اس بزرگ کے خمیر میں علم اور عشق ملت کو کس طرح سمو دیا گیا ہے!

محمد اکرام صاحب کو "غالب نامہ" کے موصول ہونے پر لکھتے ہیں:

"بلا شبہ آپ نے غالب پر ایک نہایت عمدہ تصنیف پیش کی ہے۔ اگرچہ مجھے آپ کے چند نتائج سے اتفاق نہیں میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ حضرت غالب کو اردو نظم میں بیدل کی تقلید میں ناکامی ہوئی۔"

ایک دوسرے خط میں انہیں لکھتے ہیں:

"ہسپانیہ پر نظم یوں تو تمام تر پُرسوز ہے لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں۔ میں اسے محفوظ رکھونگا اور کوشش کرونگا کہ یہ اشعار اُردو میں منتقل ہو سکیں۔ میں اپنی سیاحت اُندلس سے بے حد لذت گیر ہُوا ہوں۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی۔ الحمراء کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہُوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔"

سید سلیمان کی تصنیف "عمر خیام" پر انہیں لکھتے ہیں:-

"جو کچھ آپ نے لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی

عالم اضافہ نہیں کر سکے گا۔"

مولوی سراج الدین پال کے نام اُن کے خطوط ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ صرف خواجہ حافظ" پر ایک مضمون کی ترغیب کے لئے کتنی مرتبہ انہیں لکھا ہے اور کس قدر حوالہ جات انہیں مہیا کئے ہیں اور کس طرح ان کی رہنمائی کی ہے۔ اسی طرح جو بات نہیں جانتے تھے یا جس کی وضاحت چاہتے تھے یا جس کے ایسے پہلو جو نظر انداز کر دئے گئے تھے، جاننا چاہتے تھے، دوسروں سے پوچھتے تھے۔ جو دوسروں کو بتا سکتے تھے خوشی سے بتاتے تھے۔ اس سلسلہ میں صرف ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔

حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری کو ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں!

مصر جائیے۔ عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے۔ اسلامی علوم، اسلام

کی دینی اور سیاسی تاریخ۔ تصوّف۔ فقہ۔ تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اُس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

علم دوستی

اقبال کی نمایاں ترین خصوصیت جو ان مکاتیب سے سامنے آتی ہے اُن کی علم دوستی ہے۔ خالص مذہبی مباحث سے قطع نظر بھی کر لیجئے تو اقبال ایک علم دوست اور علم پرور انسان نظر آتے ہیں اور حالات سازگار ہوتے تو یہی ان کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا۔ حکمائے اسلام کی بحث زمان و مکان کی حقیقت تلاش کی جارہی ہے۔ متکلمین نے علم مناظر و رؤیا کی رُو سے خدائے تعالیٰ کی رویت کے امکان سے جو بحث کی ہے اس کا سُراغ لگایا جا رہا ہے۔ حال کے رُوسی علماء کی تصانیف کی جستجو کرائی جارہی ہے اور ان کے ترجمہ کی سفارش کی جارہی ہے۔ تصوّف اور حافظ پر سیر حاصل ریسرچ اور تحقیق علمی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ خود لکھا ہے اور یونانیوں کی منطق پر انہوں نے جو اضافے کئے ہیں، اس کے متعلق خود تحقیقات کی جارہی ہے۔ دار المصنّفین کی طرف

سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی جارہی ہے۔ الغزالی سے متعلق ریسرچ پر مشورہ دیا جا رہا ہے۔ نادر مخطوطات کی فہرست کی تیاری کا اہتمام کرایا جا رہا ہے۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند میں کتابوں کی تلاش جاری ہے۔ کبھی فارسی کا کورس تیار کرنے کا خیال ہے۔ غرض علم دوستی علامہ کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ اسی علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ ان کے مکاتیب کی سطر سطر سے اہلِ علم کا احترام پایا جاتا ہے۔ جس کی مثالیں صفحہ بہ صفحہ بکھری نظر آتی ہیں۔

معرکہ اسرار و رموز یا شریعت و طریقت کی جنگ

مثنوی اسرارِ خودی و مثنوی رموزِ بیخودی اقبال کے افکار و پیام کا ماحصل اوّلین و آخرین ہیں۔ اسرار کی اشاعتِ اوّل میں علامہ مرحوم نے حافظ رح کے متعلق چند اشعار لکھے تھے۔ جن پر صوفیائے کرام کے علمبردار بے حد چراغ پا ہوئے۔ اور علامہ مرحوم پر ہر طرف سے یورش کر دی۔ علامہ مرحوم نے اس سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی صاحب کو اس ہنگامہ کے دو سال بعد لکھا

"خواجہ صاحب نے مثنوی اسرارِ خودی پر اعتراض کئے تھے چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لئے مفید ہے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا۔ اس واسطے

مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ نہ بحث کرنا میرا شعار ہے۔ بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو، وہاں سے گریز کرتا ہوں۔"

لیکن جب دو، ر،ا، نے اقبال کو اس ناگوار بحث میں گھسیٹا تو اقبال کا اصول حریفوں سے مختلف تھا:

"میں نے صاف باطنی کے ساتھ لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔ علمی بحث ہونی چاہیئے۔ حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیئے، بلکہ اس کو قائل کرنا اور راہ راست پر لانا۔"

اقبال کو اپنے نظریات کی تائید میں لکھنا پڑا اور آج ہمیں اقبال کے ان خطوط سے اقبال کے کلام کی وہ نادر تشریح میسّر آتی ہے۔ جو دنیا کی نظر سے اب تک اوجھل تھی۔ الحمدللہ اس مجموعہ مکاتیب میں بعض خطوط ایسے بھی ہیں جن کی فراہمی اور اشاعت کی خواہش خود علامہ مرحوم کو بھی تھی۔

شریعت اور تصوّف: لسان العصر کو لکھتے ہیں:—

"کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لئے جنگ ہو رہی تھی۔ جس میں آخرکار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں، جب تک کسی خانوادے

ہیں بیعت نہ لیتے ہوں، ہردلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔"

صوفیا نے حضرت لسان العصر کی تائید و اعانت حاصل کرنے کے لئے "اسرار" کی طرف انہیں توجہ دلائی اور انہوں نے تصوف اور بالخصوص حافظ رح کے متعلق علامہ کے اعتراضات کو عدم پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اقبال کو اس کے متعلق اطلاع دی۔ اقبال لسان العصر کو پیر و مرشد مانتے اور کہتے تھے۔ پیر و مرشد سے کسی مرید بے ریا کا اختلاف بے حد قلق انگیز ہوتا ہے۔ لیکن مرید نے پوری جرأت و مردانگی سے اپنا نکتۂ نظر پیش کیا۔ علامہ لکھتے ہیں:

"میں نے خواجہ حافظ رح پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ اُن کے دیوان سے مے کشی بڑھ گئی ہے۔ میرا اعتراض حافظ رح پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر ہے۔ اپنے وقت پر اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا۔ اس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔

خواجہ حافظ رحمہ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا۔ نہ اُن کی شخصیت سے۔ نہ اشعار ہیں "مے" سے مراد وہ "مے" ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں بلکہ اس مے سے مراد وہ حالت سکر ہے جو حافظ کے کلام سے بحیثیت مجموعی پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ حافظ ولی اور عارف تصوّر کئے گئے ہیں۔ اس واسطے اُن کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل نظر انداز کر دی ہے اور میرے ریمارک تصوّف اور ولایت پر حملہ کرنے کے مرادف سمجھے گئے ہیں۔"

اسی خط میں حضرت اکبر سے التجائے انصاف کرتے ہیں:

"معاف کیجئے گا، آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا (ممکن ہے غلطی پر ہوں) کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظ رحمہ کے متعلق لکھے گئے ہیں۔ باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش آپ کو اُن کے پڑھنے کی فرصت مل جاتی کہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔"

اس کے بعد ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں بلکہ میری بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کو اب تک پڑھا نہیں۔ میں نے کسی گذشتہ خط میں عرض کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لئے میری خاطر سے ایک دفعہ ضرور پڑھ جائیے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔"

اعتراضات کی نوعیت اور جواب خطوط میں تفصیل سے موجود ہے۔

غیر اسلامی تصوّف اور اس کے ادبی نصب العین سے بغاوت

اقبال نے غیر اسلامی تصوّف اور اس کے نصب العین سے کیوں بغاوت کی؟ خود ان کی زبانی سن لیجئے:

"عجمی تصوّف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر انسان کے طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اسلامی تصوّف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔ میرا تو یہی عقیدہ ہے مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالک اسلامیہ میں قابل اصلاح ہے۔ یاسیہ لٹریچر کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ قوم کی زندگی کے لئے اس کا اور اس کے لٹریچر کا 'رجائیہ' ہونا ضروری ہے۔ اسرار خودی میں حافظ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں۔ جن کا عنوان یہ ہے: "درحقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ" ان اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائینگی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائیگا" X

لسان العصر کو مفصل جوابات لکھنے کے بعد تیسری مرتبہ لکھتے ہیں:

"زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے عنایت کیا، رحم کیجئے اور اسرار خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے

جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اس کی تکلیف سے اُس نے آہ و فریاد کی۔ اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے۔"

عجمی ادب و تصوف کے مسلمانوں کی زندگی پر اثرات کے سلسلہ میں مولوی سراج الدین پال صاحب کو لکھتے ہیں:

"مسلمان مردہ ہیں۔ انحطاط ملی نے اُن کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ وہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔"

مولوی سراج الدین صاحب ہی کو حافظ پر ایک طویل مضمون لکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور متعدد خطوط میں ان کی رہنمائی کے لئے کتابوں رسالوں اور اخباروں کے حوالے دیتے ہیں۔ جن سے ان کی علم دوستی اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہے۔ مقولہ بالا خط میں لکھتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور کو منسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت "سٹل" طریق تنسیخ کا ہے اور یہ طریق وہی قومیں ایجاد یا اختیار کرتی ہیں

جن کی فطرت گوسفندی ہو...... تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا۔ ان شعراء نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو بُرا کہتا ہے تو حکیم سنائی اس کو اعلےٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لئے ضروری تصوّر کرتا ہے تو شعرائے عجم اس شعار میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں مثلاً

غازی زپئے شہادت اندر تگ و پوے ست
غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست
در روزِ قیامت این بہ او کے ماند
این کشتہ دشمن است وآں کشتہ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابلِ تعریف مگر انصاف سے دیکھا جائے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے آبِ حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے

یہی سمجھ رہے ہیں۔"

حافظ اور تصوف سے متعلق حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے نام بھی اقبال کا مکتوب لائق توجہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مطلب مطلق نہیں سمجھا۔ تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات سے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ میں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی۔ مگر افسوس کہ مسالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا۔"

تصوف اور خودی کے مسائل پر مولوی ظفر احمد صاحب صدیقی کو لکھتے ہیں:

"غلام قوم مادیات کو روحانیات پر مقدم سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور جب انسان میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ ہر ایسی تعلیم سے بیزاری کے بہانے تلاش کرتا ہے جس کا مقصد قوت نفس اور روح انسانی کا ترفع ہو ..... بہرحال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی

گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکام الٰہی
خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ
امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود
ہو جائے تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام
نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے لیکن ہندی
اور ایرانی صوفیہ میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر فلسفۂ
ویدانت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے
عقیدہ کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک
تھی اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اسی تفسیر کے خلاف
ایک قسم کی بغاوت ہیں۔" //

حافظ کے متعلق مولوی سراج الدین کے نام ایک خط میں اپنا نظریہ اور
طریق تحقیق بیان کرتے ہیں۔ جس کی صحت اور دانش و مصلحت آج
سورج کی طرح روشن اور مسلّم ہے:

..." اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ
غور سے دیکھئے۔ مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون
کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے
تھے۔ مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی۔ پھر ان سب باتوں کی
روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجئے..... اور سب سے آخر

شاعرِ حافظ ہے (اگر اُسے صوفی سمجھا جائے)۔

یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی تو پھر اُس قوم کا نکتۂ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترکِ دُنیا موجبِ تسکین۔ اس ترکِ دُنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو اُن کو تنازع للبقا میں ہو چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیئے کہ ان کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔"

اُردو

اقبال نے اردو کی خدمت میں پوری زندگی بسر کر دی۔ اُردو شاعری اور زبان کو زیرِ بارِ احسان کیا۔ اگر وہ اردو زبان کی کچھ بھی خدمت نہ کرتے تو ان کا فلسفہ کو اُردو میں ڈھال دینے کی اولین کامیاب کوشش اُن کے لئے ہمیشہ کے لئے باعثِ افتخار ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ مدت العمر اس زبان کی خدمت کرتے رہے اور دوسروں کو اس کی خدمت کا شوق دلاتے اور ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ان مکاتیب میں خود اُن

کی شہادت موجود ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی دَور میں وضع اصطلاحات میں مدد دیتے رہے۔ اُردو کانفرنس میں دعوتِ شمولیت کے جواب میں مولوی عبدالحق صاحب کو لکھتے ہیں:

"اس اہم معاملے میں کلیتہً آپ کے ساتھ ہوں۔ اگرچہ میں اُردو زبان کی بحیثیتِ زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں۔"

ایک دوسرے خط میں مولوی صاحب موصوف کو لکھتے ہیں:—

"آپ کی تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سرسیّد رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔"

تیسرے خط میں لکھتے ہیں:—

"کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کرسکتا۔"

اقبال کو اپنے حالات کی بنا پر اُردو نثر لکھنے کا اتفاق شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ لیکن بعض اوقات وہ نثر میں بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ اور مختصر جملوں میں شعر کی طرح حقائق بیان کرنے پر قادر تھے۔ ایک دوست کو ایک مرتبہ لکھتے ہیں:

"فکرِ روزی قاتلِ روح ہے۔"

اسی طرح مولوی عبدالحق صاحب کی ترقی اُردو کے سلسلہ میں محنت و جانفشانی کی داد یہ کہہ کر دی ہے:

"آپ ایک صاحبِ عزم آدمی ہیں اور یہ بات مجھے مدّت سے
معلوم تھی۔"

ان مکاتیب میں علامہ نے زبان کی سادگی کو ہاتھ سے نہیں دیا اور
انشا پردازی کے جوہر دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ جہاں کہیں موضوع
کی دلکشی نے ان کے لئے موقع مہیا کر دیا ہے، انہوں نے جو خیالات ذوق و
جوشِ قلبی سے قلمبند کر دئیے ہیں۔ اُن میں زبان کی دلفریبی بدرجۂ غایت
موجود ہے۔ حضرت گرامی کو ۱۹۱۸ء میں لکھتے ہیں:

"گرامی کو خاکِ پنجاب جذب کرے گی یا خاکِ دکن؟ اس سوال کے
جواب میں حسب الحکم مراقبہ کیا گیا۔ جو انکشاف ہوا عرض کیا جاتا
ہے۔ گرامی مسلم ہے اور مسلم تو وہ خاک نہیں کہ خاک اُسے جذب
کر سکے۔ یہ ایک قوتِ نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہرِ موسویت
اور ابراہیمیت کی۔ آگ اُسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے۔
پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ آسمان و زمین میں یہ
سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں۔ پانی
آگ کو جذب کر لیتا ہے۔ عدم وجود کو کھا جاتا ہے۔ پستی بلندی
میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات
کی ہو، اسے کون جذب کر سکتا ہے۔ اسے موت نہیں چھو سکتی کہ اس
کی قوت حیات و موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات
کا تناقض مٹا چکی ہے ...... اس کی لاش خاک و خون

میں تڑپ رہی تھی لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں
سے بھی زیادہ حیا تھی، جس کا قلب، تاثراتِ لطیفہ کا سرچشمہ
تھا، اس دردانگیز منظر سے مطلق متاثر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی
نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جدائی
میں دردانگیز اشعار پڑھتی ہوئی دربارِ نبوی میں حاضر ہوئی۔
اللہ اکبر! اشعار سنے تو حضور اس قدر متاثر ہوئے کہ اس
لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے یہاں تک کہ جوشِ ہمدردی
نے اس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے
سے ایک آہِ سرد نکلوا کر چھوڑی ...... پھر مسلم جو حامل ہے
محمدیت کا اور وارث ہے موسویت کا اور ابراہیمیت کا،
کیونکر کسی شے میں جذب ہو سکتا ہے۔ البتہ زمان و مکان کی
مقیّد دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مسلم کو جذب کر
سکتا ہے اور اس کی قوتِ جاذبہ ذوقی و فطری نہیں بلکہ مستعار
ہے ایک کفِ پا سے، جس نے اس ریگستان کے چمکتے ذروں
کو کبھی پامال کیا تھا۔"

اس مکتوب کو حصہ اوّل میں تمام و کمال پڑھیے اور اقبال کی انشاپردازی
اور مطالبِ جلیلہ کے اظہار پر اس کے کمال کی داد دیجیے۔ ایک اور
مثال ملاحظہ فرمائیے۔ منشی محمد الدین فوق کو لکھتے ہیں اور نفسِ مضمون
اقبال کے لیے دلکشی رکھتا ہے۔ اقبال ولایت کے پہلے سفر کے دوران

میں سویز پہنچے تو مسلمان تاجروں کی ایک کثیر تعداد جہاز پر آن موجود ہوئی۔ اقبال ان میں سے ایک سے سگریٹ خریدتے ہوئے اُسے بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ اقبال کے سر پر ہیٹ دیکھ کر اُسے تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے:

"آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہؤا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہؤا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دوکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ سب میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاءاللہ ماشاءاللہ کہنے لگے اور میری غرضِ سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے یا یوں کہئے کہ دو چار منٹ کے لئے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لئے آیا۔ میں نے جب نظر اُٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ کے لئے علی گڑھ کالج ڈیپوٹیشن کا شبہ ہؤا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ میں بھی دخل در معقولات اُن میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُن میں ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا جیسے حریری کا۔

کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔"

اسی خط میں نہر سویز کے متعلق لکھتے ہیں :

"کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگتراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوام عالم میں اس تجارتی تعمیر کی بنیاد رکھی ..... یہ کینال ایک فرانسیسی انجینئر نے تعمیر کیا تھا۔ دُنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ کینال کیا ہے، عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق اور مغرب کا اتحاد۔ دُنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا، جس قدر اس مغربی اختراع نے زمانۂ حال کی تجارت پر کیا ہے۔"

سید غلام میراں شاہ کو لکھتے ہیں :

"حج بیت اللہ کی آرزو تو گزشتہ دو تین سال سے میرے دل میں بھی ہے۔ خدا تعالےٰ ہر پہلو سے استطاعت عطا فرمائے تو یہ آرزو پوری ہو۔ آپ رفیقِ راہ ہوں تو مزید برکت کا باعث ہو ..... چند روز ہوئے، سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدر آباد کا خط مجھ کو ہدایت سے آیا تھا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ اگر تمہاری معیّت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن درویشوں کے قافلہ میں جو لذت و راحت ہے وہ امیروں کی معیّت میں کیونکر نصیب ہو سکتا ہے۔"

زبان کی ترقی کا راز

سردار عبدالرب خاں نشتر کو ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

"زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔ ہاں تراکیب کے وضع کرنے میں مذاقِ سلیم کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے"

اسی مضمون پر مولوی عبدالحق صاحب کو چودہ برس بعد لکھا ہے:

"زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کے بقاء کا انحصار ہے"

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کیلئے احساسِ خطر

ہندوستان میں علامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق بہت بڑا خطرہ نظر آتا تھا۔ جس کے انسداد کی بعض ایسی کوششیں ان مکاتیب سے ملت کے سامنے آتی ہیں جو آج تک سب کی نظر سے پوشیدہ تھیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے لئے خطرہ ان کو ہندوستان کی تحریکِ قومیت

اور مسلمانوں کی بے حسی اور بے راہ روی کی وجہ سے تھا۔ اشاعت اسلام کے لئے اُن کے دل میں ایک تڑپ تھی۔ میر غلام بھیک صاحب نیرنگ کو لکھتے ہیں :

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظت اسلام اس کا عنصر نہیں جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔"

اسی خط میں دوسری جگہ لکھتے ہیں :

"میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیات حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد کہ ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے "خود مذہب اسلام کے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرہ کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یا کم از کم شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔"

اس روشن ضمیری اور عاقبت بینی کی آج کون صاحب نظر داد نہ دیگا۔ مخدوم میراں شاہ صاحب کو لکھتے ہیں :

"دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ

اپنی قوت، ہمت، اثر رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائق اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔ اس تاریک زمانے میں حضور رسالتمآب کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے .....
افسوس شمالی مغربی ہندوستان میں جن لوگوں نے علم اسلام بلند کیا۔ اُن کی اولادیں دُنیوی جاہ و منصب کے پیچھے پڑکر تباہ ہوگئیں اور آج اُن سے زیادہ جاہل کوئی مسلمان مشکل سے ملیگا۔ الّا ماشاء اللہ!"

منشی صالح محمد صاحب کو لکھتے ہیں:

"اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آرہا ہے۔ سیاسی حقوق اور ملی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف، خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہے میں ایک مدت سے اس مسئلہ پر غور کر رہا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صورت میں ہو۔ اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح ان کے اخبارات کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کئے جائیں جو زمانہ حال میں اقوام کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں" ....

ایک دوسرے خط میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے :

"مسلمانوں کی مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے تنظیم کی جائے۔ قومی عساکر بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کرکے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔"

عام مسلمانوں میں اسلام اور مسلمانوں کی اس حالت زار اور اُن کے لئے خطرۂ عظیم کے عدم احساس کا ماتم اور اس خطرے کی نوعیت کو یوں واضح فرمایا ہے :

"میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر وقت پر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائیگا۔ آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک میں فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے تمام کام چھوڑنے پڑے تو انشاءاللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اس مقصد جلیل کے لئے وقف کر دونگا ...... ہم لوگ قیامت کے روز خدا اور

رسولؐ کے سامنے جواب دہ ہونگے "

ہندوستان کے مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب اور ملتِ ہندیہ کے احیائے جدید کی تدابیر پر ہمیشہ نظر رہتی تھی۔ مسلمانانِ ہند کے انحطاط کا ایک سبب اُن میں تنظیم اور یک جہتی و ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ ۱۹۳۳ء میں شیخ عبداللہ کو لکھتے ہیں:

"ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔ ہندی مسلمانوں کے کام اب تک محض اس وجہ سے بگڑتے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی۔ اس کے افراد بالخصوص علما، اوروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنے رہے بلکہ اس وقت ہیں "

ہندوستان کے مسلمانوں کو خود متحد ہوکر ہمت کرنے اور اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور انہیں دوسروں کی عیاری سے ہوشیار رہنے کی تلقین کے سلسلہ میں سید سلیمان کو تحریک خلافت کے زمانے میں لکھتے ہیں:

"مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صورت میں منتقل ہوگیا۔ معلوم نہیں آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں۔ مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیخوں کے اشارے پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔

افسوس مفصل عرض نہیں کر سکتا کہ زمانہ نازک ہے۔

بہت آزمایا ہے غیروں کو تو نے | مگر آج ہے وقت خویش آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا | خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خرید یں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے | مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

اصل شعر میں 'دیگراں' کی جگہ 'ناکساں' ہے۔ میں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔

یہ نہ سمجھئے کہ اقبال کی نظر صرف ننگ اسلام علما ہی کے گناہوں پر تھی، انگریزی خواں طبقے کے وہ لوگ جو ذاتی نفع کی خاطر ملت فروشی پر مائل اور اس طرح ملت میں انتشار کا باعث ہوتے تھے اُن کی سیاہ کاریوں سے بھی علامہ کو بے حد قلق تھا۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں :۔

"میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بے حد دردمند ہوں۔ اور گذشتہ چار پانچ سال کے تجربہ نے مجھے بے حد افسردہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔"

فتنۂ قومیت و وطنیت

علامہ مرحوم ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی و تمدنی برتری اور

ان میں صحیح اسلامی تعلیمات کے پیدا کرنے اور انہیں اُن پر عمل پیرا ہونے کے
داعی تھے۔ جب کبھی اور جہاں کہیں انہیں ایسے اعمال و تحریکات سے سابقہ
پڑتا تھا جو مسلمانوں کو ان کے مقاصدِ عالیہ سے منحرف کرنے کے لئے
جاری کی جاتی تھیں، علامہ کی نگاہِ دُور بین انہیں بھانپ لیتی تھی اور وہ
ان کی مخالفت میں آواز بلند کرتے تھے۔ حضرت علامہ نے فتنۂ قومیت
و وطنیت کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔ اور وہ
مسلمانوں میں اس عصبیت کے پیدا ہونے کے مخالف تھے۔ سید سلیمان
ندوی کو لکھتے ہیں :-

"بزمِ اغیار کی رونق ضرور تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک
جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ
سے بہت دُور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ
دکھا رہے ہیں۔ جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے
بھی قبول نہیں کر سکتا۔"

حضرت اکبر کو لکھتے ہیں :

"اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا دشمن
یورپ کا جغرافیائی جذبۂ قومیت ہے جس نے ترکوں کو خلافت
کے خلاف اکسایا۔ مصر میں مصر مصریوں کے لئے کی آواز بلند کی
اور ہندوستان کو پین انڈین ڈیموکریسی کا بے معنی خواب دکھایا۔"

آخری ایام میں جو اذیت علامہ مرحوم کو بعض مسلمانوں کے ان اعمال

سے ہوئی جن کا نتیجہ ملت میں انتشار اور غیر اسلامی اصولوں کو عملاً تسلیم کر لینا تھا، ناقابل بیان ہے۔ اسی پر انہیں مومن پرستدہ کافر تراشدہ کی پھبتی سوجھتی تھی اور انہیں حالات سے مجبوراً انہوں نے "دل چون کندہ قصاب دارم" پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ

بسے نادیدنی ہا دیدہ ام من
مرا اے کاش کہ مادر نزادے

کہنے پر مجبور ہو گئے۔

مذہب سے دلچسپی اور فقہ اسلامی کی تشکیل جدید

اقبال غلام محمدؐ اور خادم و عاشق دین محمدؐ تھے۔ زمانے کی نبض پر اُن کا ہاتھ تھا۔ مسلمانوں کے مذہبی انحطاط پر اُن کا دل دُکھتا تھا۔ مخالف قوتوں کے زور و اثر کو دیکھتے تھے۔ اسباب انحطاط اور مشکلات کے مقابلہ کی صورتیں اُن کے ذہن میں تھیں۔ کبھی ہماری بے حسی پر اُن کا دل بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی نامساعد زمانہ سے اسلام کے لئے جنگ آزمائی کا عزم ہوتا ہے اور اسلام کی فتح اور مسلمانوں کی کامرانی کے یقین پر ان کی زندگی موقوف تھی۔ مکاتیب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے لیکن یاد رہے کہ اقبال کی نگاہ میں مذہب اور سیاست کی علیحدگی جائز نہ تھی۔ جہاں وہ مسلمانوں کے مذہبی انحطاط سے نالاں تھے، وہاں اُن کے سیاسی تنزل کا ماتم بھی جاری تھا۔ جہاں دوستوں کو مذہب اسلام کے

مسائل کی طرف متوجہ کرتے اور دنیا کے موجودہ رجحانات کے پیش نظر تعلیمات اسلامی کی بلندی کی دنیا میں تلقین کی تدابیر پیش کرتے تھے۔ وہاں ممالک اسلامیہ کی سیاسی شیرازہ بندی اور استحکام کو اُن کے لئے زندگی اور آبرو کا راز جانتے اور مانتے تھے اور جب اور جہاں جس طرح ممکن ہوا ان ممالک کی خدمت کرتے تھے۔ اُن کی سب سے بڑی خدمت مسلمانوں کو اس مذہبی و سیاسی خدمت کی طرف متوجہ کرنا تھا اور ان دونوں قسم کی خدمات میں اُن کا حصہ رہنمایانہ تھا۔

سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی دوسری راہ نہ اختیار کر لے۔ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ فرانسیسی خوب بولتا تھا۔ مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔"

مذہبی انحطاط کی علت ہندوستان میں تعلیم کا سراسر غیر مذہبی ہو جانا اور عربی زبان سے ناواقفیت بتائی گئی ہے۔ نیاز احمد خاں کو ۱۹۳۱ء

میں لکھتے ہیں :

" مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے "

ایک دوست کو جو ہندوستان سے باہر گئے ہیں لکھتے ہیں :-

" عربی سیکھنے کا موقعہ ہے، خوب سیکھئے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ عربی دانی سے آپ کی دلچسپی جو اب آپ کو فارسی لٹریچر سے ہے کم ہو جائیگی۔ کوئی آدمی عربی زبان کے ہاضم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے طالب علمی کے زمانے میں خاصی عربی سیکھ لی تھی۔ مگر بعد میں اور مشاغل کی وجہ سے اس کا مطالعہ چھوٹ گیا تاہم مجھے اس زبان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہے "

ایک دوسرے دوست کو ۱۹۱۶ء میں لکھتے ہیں :

" ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت و توکل کے وہ معنی لئے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ۔۔۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دئے ہیں "

مسلمانوں کی زبوں حالی اور بداعمالی اور اُن کے مستقبل کی فکر دین وملت کے دو خادموں کو رُلاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کی تائید و اعانت کرتے اور ہمت بندھاتے ہیں۔ سید سلیمان کو لکھتے ہیں :-

" دُنیا اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے۔ اس پیکار و انقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے، آپ کا قلب قوی اور ذہن ہمہ گیر ہے۔ آپ اس حالت سے جلد نکل آئیں گے .... آپ اس جماعت کا پیش خیمہ ہیں .... اس جماعت کا دُنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے "

مذہبی پستی اور ناواقفیت کا فوری علاج بھی بتایا جا رہا ہے اور مذہبی شوق کے پیدا کرنے اور اسلام کی برتری دنیا پر واضح و ثابت کرنے کا مستقل نسخہ بھی تیار کیا جا رہا ہے۔ مولانا عبدالماجد کو ۱۹۲۹ء میں مسلم یونیورسٹی کے تبیے دورہ کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" آپ علیگڑھ جا کر مذہبی مضامین پر طلباء سے گفتگو میں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے۔ باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں۔ مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے۔ لیکن افسوس کوئی آدمی ہم

میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر مؤثر ہو ۔۔۔۔۔ اسلام کے لئے اس ملک میں نازک وقت آرہا ہے ۔ جن لوگوں کو کچھ احساس ہے ۔ ان کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش اس ملک میں کریں ۔۔۔ علماء میں مداہنت آگئی ہے "

ایک دوست کو لکھتے ہیں :-

"افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہاء یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں ۔۔۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں ۔۔۔۔ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا "

حضرت علامہ نے فکر اسلامی کی تجدید و طرح نو کے لئے بہت کوشش فرمائی اور طریم طرح کے مسائل کی طرف توجہ کی اور علماء کو بھی متوجہ کیا ۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ [illegible] سے کتابیں لکھی جائیں ۔ ایک دوست کو [illegible] ہیں :

"کیا اچھا ہو کہ وہ شریعت محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر

فرما دیں جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن
سے استدلال کیا گیا ہو۔ معاملات کے متعلق خاص طور پر اس
قسم کی کتاب کی آجکل شدید ضرورت ہے ...... اس پر ایک
آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے۔ اس سے زیادہ تر زمانہ
حال کے مغربی اصول فقہ کو ملحوظ رکھ کر فقہ اسلامی پر بحث
کی گئی ہے ...... ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ
قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے .....
لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر
ثابت کیا جائے کہ سیاسیات انسانی کے لئے تمام ضروری
قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے
فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو جو قواعد عبادات
یا معاملات کے متعلق (بالخصوص مؤخر الذکر کے متعلق) دیگر
اقوام میں اس وقت مروج ہیں ان پر قرآنی نکتۂ نگاہ سے
تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں
اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ
اندوز نہیں ہو سکتی بلکہ [illegible] ۔ جو شخص اس وقت
قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس
پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو
ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان

کا سب سے بڑا خادم وہی شخص ہو گا۔"

اقبال اس صورت حال کا مقابلہ علماء اسلام کی ایک جماعت تیار کر کے کرنا چاہتے تھے۔ اس جماعت کی تعلیم و تربیت کے لئے کس پایہ کے اور کن اوصاف کے اساتذہ کی ضرورت سمجھتے تھے۔ اس کا اندازہ شیخ جامعہ ازہر کے نام تحریک دارالسلام سے متعلق ان کا مکتوب لائق توجہ ہے۔ فرماتے ہیں:

"ہم ان کے لئے ایک لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتابیں موجود ہوں اور ان کی رہنمائی کے لئے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دورِ حاضرہ سے بھی واقف ہو، مقرر کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدنِ اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کر سکیں۔"

کن کن مذہبی مسائل پر توجہ تھی؟

اقبال کا نظریہ اجتہاد مستقبل دونوں پر تھا۔ وہ اسلام کو زمانہ حال کی

مقتضیات کے پیش نظر جن مسائل سے واسطہ پڑا ہے یا پڑے گا۔ اس کا اندازہ علامہ مرحوم کو تھا اور وہ ان کا حل چاہتے تھے، سوچتے تھے، دوستوں سے پوچھتے تھے اور خود تلاش کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں صرف ان مسائل کی طرف محض اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ جن سے انہیں دلچسپی تھی:۔

سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۴ء میں لکھتے ہیں:۔

"دنیا عجب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار کے خلاف ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ) بھی حالت نزع میں ہے۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔ اس بحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے۔ اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں۔ جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے"

سید صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں:۔

"احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہیں اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا

ہے۔ اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمائیے!"

"زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے؟ اسلامی فقہاء کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے، تو کیا یہ بات شرع اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔ کیا یہ بات رائے امام کے سپرد ہوگی؟"

اس ضمن میں حضرت علامہ کا یہ سوال کہ کیا جماعت امام کی قائم مقام ہو سکتی ہے، مدنظر رہنا چاہیئے۔

"امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اس بچہ کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلہ کی اساس کیا ہے؟ کیا یہ اصول محض ایک قاعدہ شہادت ہے یا جزو قانون ہے۔ اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ مروجہ ایکٹ شہادت کی رو سے تمام وہ قواعد شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروج تھے منسوخ کیے گئے ہیں۔ ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصول کو قاعدہ شہادت قرار دے کر منسوخ کر دیا ہے۔ نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان بچہ جو فقہ اسلامی کی رو سے ولد الحلال ہے ایکٹ شہادت کی رو

سے ولد الحرام قرار دیا جاتا ہے۔"

اقبال کو اعتراف ہے :

"میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ البتہ فرصت کے اوقات میں میں اس بات کی کوشش کیا کرتا ہوں کہ ان معلومات میں اضافہ ہو۔ یہ بات زیادہ تر ذاتی اطمینان کے لئے ہے، نہ تعلیم و تعلم کی غرض سے۔"

لیکن اقبال مجبور ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی بیداری اور اسلام کی حقیقی تعلیم کا زمانہ حال کی مقتضیات کے پیش نظر دوسرے ضابطہ ہائے حیات سے بہتر اور ابدی ثابت کرنے کے لئے جو کوشش ضروری ہے، جہاں تک ان کے امکان میں ہے وہ کریں۔ وہ ایک دوست کو لکھتے ہیں :

"مولوی صاحب موصوف یا اُن کے رُفقا کو جو کلامِ الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں اس طرف توجہ کرنی چاہئے ہیں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔"

حضرت علامہ نے بالآخر تہیہ کر لیا کہ وہ ایک کتاب لکھیں۔ جس میں حقائق قرآنیہ سے بحث ہو۔ اور احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اس کا عنوان "اسلام میری نظر میں" قرار دیا ہے :

"اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے، جو ممکن ہے غلط ہو۔"

اس کتاب کے متعلق اپنی عمر کے آخری ایام میں انہوں نے سید راس مسعود

کو لکھا ہے :

" تمنّا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں اور جو تھوڑی سی ہمّت و طاقت مجھ میں موجود ہے۔ اُسے اسی خدمت کے لئے وقف کر دینا چاہتا ہوں "

ایک دوسرے خط میں سیّد راس مسعود ہی کو لکھتے ہیں :

" اس طرح میرے لئے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیرِ غور ہیں۔ لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیگا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسّر آئے تو میں سمجھتا ہوں، قرآن کریم کے اُن نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیشکش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا "

غیر اسلامی تصوّف ' پر علامہ کے خیالات کسی دوسری جگہ موجود ہیں۔ مذہبی نکتۂ نگاہ سے لکھتے ہیں :

" اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے۔ جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے "

ایک دوسرے خط میں سیّد صاحب کو لکھتے ہیں :-

"خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں۔ حالانکہ حضرت محی الدینؒ کا مقصود اسلامی تصوّف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔"

سید سلیمان کو لکھتے ہیں:-

"امریکہ کے ایک مصنف کی کتاب میں لکھا ہے کہ "اجماعِ اُمت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیرخوارگی کہ نصِ صریح کی رو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے..... مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفاء اور معتزلیوں کے نزدیک اجماع اُمت یہ اختیار رکھتا ہے۔ مگر اُس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟"...... "دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہؓ نے نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کونسا حکم ہے؟"

"آیہ توریث میں حصص بھی ازلی و ابدی ہیں یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے، صرف وہی ناقابلِ تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے۔"

"کیا روشنی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبدالوہابؒ نجدی کے

حالات کی اشاعت ہوئی تھی ؟ ...... مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہوگیا ہے، ان کی تحریک کی اصلی غایت کیا تھی ؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا۔"

اس وقت آئین پاکستان پر بحث مباحثہ جاری ہے۔ مذہبی مسئلہ میں امام کے اختیارات کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال سید سلیمان ندوی سے دریافت فرماتے ہیں:

"زمانہ حال کی زبان میں یوں کہئے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن آن (امام) کو ایسا اختیار دیتی ہے۔ امام ایک شخص واحد ہے، یا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ ہر اسلامی ملک کے لئے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک واحد امام ہو؟ مؤخر الذکر صورت میں موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے۔ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالئے۔"

اسی قسم کے بیسیوں سوالات ہیں جن کا حل تلاش کیا جارہا ہے۔

ممالک اسلامیہ

فلسطین ـ حضرت علامہ کو مسئلہ فلسطین سے غایت درجہ دلچسپی تھی اور انہوں نے ہندوستان کے دور غلامی میں فلسطین کو پنجہ اغیار سے چھڑانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ مس فارقوہرسن کے نام اُن کے

خطوط اس پر شاہد ہیں۔ کچھ جو پہلے میسر آئے، حصہ اول میں موجود ہیں۔ جو خطوط میری علیگڑھ سے واپسی کے بعد لاہور میں سر عبدالقادر مرحوم سے دستیاب ہوئے، حصہ دوم میں شامل کر لئے گئے ہیں۔ ان خطوط میں برطانیہ کو عربوں سے اپنے حتمی وعدوں کی خلاف ورزی کے ارتکاب سے بچنے کی توجہ دلائی جا رہی ہے۔ انہیں تاریخ اقوام پر گہری نظر رکھنے والے مفکر کی طرح بتایا جا رہا ہے کہ:

"جب طاقت عقل و دانش کو پس پشت ڈال کر محض اپنی ذات
پر بھروسہ کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔"

انگریزوں سے کہا جا رہا ہے، فلسطین تمہاری ذاتی جائداد نہیں۔ تم اس تحریک کو یہودیوں کے لئے ایک قومی وطن مہیا کرنے سے کہیں زیادہ برطانوی سامراج کے لئے ایک ساحلی گوشہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ فکر مند ہو۔ کہیں برطانیہ کو عربوں کی دوستی سے محرومی کے عواقب سے ڈرایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرق قریب کے اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت و استحکام کو ترکوں اور عربوں کے فوری اتحاد "مکرر" پر موقوف بتایا جا رہا ہے۔ عربوں کو بتایا جا رہا ہے کہ عرب ممالک کے مختلف بادشاہ فلسطین کے لئے آزادانہ اور ایماندارانہ فیصلہ حاصل کرنے سے قاصر ہیں مس فارقوہرسن سے تجویز کیا جا رہا ہے کہ فلسطین کے سلسلہ میں اپیل کے لئے ہز ہائینس آغا خاں کی تائید و اعانت حاصل کریں اور اپیل کا مسودہ مصر و فلسطین کے زعمائے فکر و عمل کے مشورہ سے مرتب کریں۔ اس مسئلہ

پر دلچسپی اور اعانت کے لئے مس فارقوہرسن اور لارڈ ازلینگٹن کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے۔"

افغانستان

حضرت علامہ کو افغانستان سے گہری دلچسپی رہی۔ اس دلچسپی کا اندازہ اُن اشعار سے ہو سکتا ہے جو سیاحتِ افغانستان کے بعد مثنوی "پس چہ باید کرد" کی صورت میں شائع ہوئے۔ امان اللہ خاں کے فرار کے بعد افغانستان میں جو حالت پیدا ہوئی، وہ ہر صاحبِ دل مسلمان کے لئے بے حد قلق انگیز تھی۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ جب نادر خاں لاہور سے گذرے تو اقبال اپنا تمام اندوختہ جو اُس وقت اُن کے پاس موجود تھا، لے کر سٹیشن پر پہنچے اور علیحدگی میں نادر خاں سے کہا "میری کائنات یہی کچھ ہے۔ اسے قبول فرما کر اس جہاد کے ثواب اور افغانستان کے استقلال کی کوشش میں شمولیت کا شرف مجھے بھی حاصل ہونے دیجئے۔" نادر خاں نے متاعِ درویش کے قبول سے بصد شکریہ انکار کر دیا۔ لیکن اقبال اس فکر میں رہے اور دوستوں سے خطوط اور تار کے ذریعے اپیل کی۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو لکھتے ہیں:

"افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں معدودے چند افراد کو اس ملک کے انقلاب کے اسباب سے واقفیت ہے۔ میری رائے میں امان اللہ کی واپسی کے کوئی امکانات نہیں۔"

علامہ خود استقلال افغانستان کے بعد کابل گئے اور ایک آزاد ملک کو اپنی مسیحا نفسی سے زندہ کرنے میں حصہ لیا۔ اور جن لوگوں نے ملک کی آزادی کے حاصل کرنے میں حصہ لیا تھا، انہیں اپنے ہدیۂ عقیدت سے جس نے اشعار تابدار کی صورت اختیار کی، ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ احباب بنگلور سے بذریعہ تار افغانستان کی آزادی کی کوشش کے لئے چندہ جمع کیا جا رہا ہے۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو ۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں:

"مجھے امید ہے کہ احباب بنگلور جن سے میں نے اس سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے، فراخ دلی سے چندہ دیں گے۔ میں نے سیٹھ حاجی اسمٰعیل ایڈیٹر الکلام اور عبد الغفور صاحب کو بھی تار دیا ہے، از راہ کرم ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے جو ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے، وہ ان حضرات کو یاد دلائیے۔ افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانان ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لئے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔"

کشمیر..... ع

تنم گلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر

کہنے والے اقبال نے ع

دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

کہہ کر اپنے جسم و روح کے تعلق اور نسبت کو واضح کیا تھا۔ جب تن کو

ایذا پہنچی تو دل متاثر ہوا۔ کشمیر میں جب مسلمانوں پر سخت مصیبت نازل ہوئی اور حکومت نے انہیں قید و بند میں ڈالنا شروع کیا تو اقبال نے انہیں یک جہتی کا پیغام دیا۔ اسیرانِ قید و بند کے لئے پٹنہ سے نعیم الحق صاحب بیرسٹر کی خدمات بطور وکیل حاصل کیں بلکہ لاہور سے وکیل اُن کی مدد کو بھیجے اور کشمیریوں کی حالتِ زار پر اپنے کلام میں بڑا ماتم کیا۔ لیکن شاعر امید کی زبان پر یہ الفاظ بھی جاری ہوئے: "مجھے امید ہے کشمیر کی قسمت عنقریب پانسہ پلٹنے والی ہے۔" خدا کرے جلد علامہ مرحوم کی یہ پیش گوئی پوری ہو!

دُوسرے اسلامی ممالک

حضرت علامہ نے جنگ ہائے طرابلس اور بلقان میں ایک دلدوز نوا بلند کی اور جنگِ اوّل کے بعد تحریکِ خلافت میں ایک حد تک خود شامل رہے۔ اور ایک زمانہ شاہد ہے کہ وہ ترکوں کی مصیبت پر جو جنگِ اوّل کے بعد ان پر نازل ہوئی، خود روئے اور دوسروں کو رُلایا۔ لیکن اُن کا دل ہمیشہ امید سے معمور رہتا تھا۔ اُنہوں نے فرمایا ؎

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

۱۹۲۹ء میں ہی ان کا ارادہ اسلامی ممالک کی سیاحت کا تھا۔ مولوی محمد جمیل صاحب کو لکھتے ہیں:

"اب باوجود مالی مشکلات کے ایران و ترکی کے سفر کی تیاری

میں مصروف ہوں۔ خداوند تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس سفر کے لئے جو میں محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و بلندی کے لئے اختیار کر رہا ہوں، زادِ راہ میسّر آ جائے گا۔"

لیکن مالی مشکلات نے امید کی روشنی کو مدھم کر دیا ہے۔ دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

"میں ترکی اور مصر کے سفر کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں جیسا آپ جانتے ہیں، زرِ طلبید والا معاملہ ہے اور ہندوستان کے مسلمان اُمراء، اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت و اہمیت سے قطعاً ناآشنا ہیں۔"

غرض علامہ مرحوم سے جب اور جیسا میسّر ہوا، انہوں نے اسلامی ممالک کی خدمت کو اپنا فرض سمجھا اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اُن کے کلام کی بدولت ہی اتحادِ ممالک و ملل اسلامیہ کا ایک قومی جذبہ پایا جاتا ہے۔۔۔

سیاسی پیشین گوئیاں

اقبال کے کلام کی طرح خطوط میں بھی جا بجا پیش گوئیاں ملتی ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کو لکھتے ہیں:

"کلکتہ کے فسادات کے حالات اخبار میں پڑھے تھے۔ آج

مزید حالات پڑھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے اور اُن
کے لیڈروں کو آنکھیں عطا فرمائے کہ وہ اس زمانے کے
میلانِ طبیعت کو دیکھیں۔"

مسلمان لیڈروں کی سیاسی ناعاقبت اندیشی کا یہ اوّلین مرثیہ ہے
ہندو مسلمانوں کے اختلافات بڑھتے گئے۔ اقبال کو اس سے دکھ
ہوا۔ لیکن ان کی فراست نے انہیں اُس نتیجہ پر پہنچا دیا۔ جو آج ایک
حقیقتِ ثابتہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں
مہاراجہ کشن پرشاد کو پنجاب کے متعلق لکھتے ہیں :

"افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت
بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال
میں دونوں قوموں کے لئے زندگی مشکل ہو جائیگی۔"

یہ پیشن گوئی تیس برس سے پہلے ہی پوری ہو گئی۔

۱۹۳۲ء میں مس فارقوہرسن کو لکھتے ہیں :

"ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل سے نہایت مایوس
ہو رہا ہوں۔ بمبئی کے فسادات نے جو ابھی تک فرو نہیں ہوئے
مجھے بے حد پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان
میں جمہوریت کا آغاز ایک خونریزی کی صورت اختیار کریگا
اور یہ بدامنی ایسے نتائج پیدا کرے گی جو بیحد ناگوار ہونگے۔
بعض لوگوں کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں اس بے چینی

کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کی سویت استوار ہو جائیگی ۔"
دونوں قوموں کے لئے باہمی عداوت کی وجہ سے زندگی مشکل ہو گئی
آزادی آئی اور اپنے ساتھ خون کے سمندر لائی ۔ بدامنی موجود ہے دیکھیں
ہندوستان کا کیا حال ہوتا ہے ۔
۱۹۳۶ء میں مولوی عبدالحق کو انجمن ترقی اُردو کے سلسلہ میں لکھتے
ہیں :

"مسلمانوں کو اپنے تحفظ کے لئے جو لڑائیاں لڑنی پڑینگی
اُن کا میدان پنجاب ہوگا ۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی
دقتیں پیش آئیں گی ۔ کیونکہ اسلامی زمانے میں یہاں کے
مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی ۔ مگر اس کا کیا علاج
کہ آئندہ رزمگاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے ۔"

یہ پیشگوئی کس قدر جلد اور کس قدر صحیح ثابت ہوئی ۔
اقبال اسلام کی دینی و دنیوی شوکت و عظمت کے آرزومند تھے
اور عالم اسلام کی تحریکات اور ترقیات کا غائر توجہ سے مطالعہ کرتے
رہتے تھے اور اس مطالعہ کی بنا پر اپنے نتائج استوار کرتے تھے ۔
۱۹۲۴ء میں اکبر منیر صاحب کو لکھتے ہیں :

"دُنیا کے دل میں انقلاب ہے ۔ اس واسطے قلوب انسانی
اس سے متاثر ہو رہے ہیں ۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ
انشاء اللہ قریب آ رہا ہے ۔"

خواب اور اُس کی تعبیر

اس سلسلہ میں اقبال کا ایک خواب اور اس کی تعبیر بھی اُنھی کی زبان سے سُن لیجئے ۱۹۳۱ء میں مولوی راغب احسن صاحب کو جنھوں نے کلکتہ میں جمعیتہ شبان المسلمین کی بنیاد رکھی اور اس تحریک کا میثاق علّامہ کی خدمت میں بھیجا، لکھتے ہیں :-

" مدّت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑوں سے مراد روحِ اسلامیت ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔"

اقبال نے تجویز و قیامِ پاکستان کی تیاری میں جو حصہ لیا وہ حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام اُن کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان پر ہم نے کسی تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اسی طرح صاحبزادہ آفتاب احمد خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور خالد خلیل پروفیسر جامعہ قسطنطنیہ کے نام کا تذکرہ بھی ہم نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خطوط اپنی نوعیت و اہمیت کے لحاظ سے جداگانہ توجہ و مطالعہ کے محتاج ہیں۔

خویش و اقارب

ملت کے لئے اقبال کی دلسوزی کے تذکرہ کے بعد اُس شخص کی بلند نظری اور ایثار کی ایک تھوڑی سی جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ اہل و عیال سے محبت اور اُن کے لئے دلسوزی انسان کے لئے ایک فطری امر ہے۔ لیکن اپنی آسائش کو دوسروں کے حقوق کے احترام میں ترک کر دینا ایک ایسا عمل ہے جو عام نہیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھتے ہیں:

"کچہری بند تھی اور میں چاہتا تھا کہ کسی ایسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں، چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں آرام کروں۔ پہاڑ جانے کے لئے سامان موجود تھا مگر اس قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جا کر ایک پُرفضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروت معلوم ہوا۔ اسی واسطے ایک گاؤں چلا گیا۔ جہاں ویسی ہی گرمی تھی، جیسی لاہور میں۔ مگر آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی۔"

اقبال کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب سے والہانہ محبت تھی اور جب ایک زمانہ میں ان پر مصیبت آئی تو اقبال انگاروں پر لوٹے اور ان کی اعانت کو دوڑے اور اُن کے لئے اپنے ذہن رسا و فراست اور معاملہ فہمی و تدبیر اور دلیری سے اس زمانہ میں وہ کیا جو شاید کوئی دوسرا نہ

کر سکتا تھا۔ اگر اس معاملہ فہمی اور فراست کو وہ حصولِ دنیا کے لئے صرف کرتے تو ہندوستان میں اُن سے کسی کو یارائے مقابلہ نہ تھا۔ لیکن یہ فہم و فراست خدمتِ ملت کے لئے وقف تھا۔ نیلامی کا مال نہ تھا۔

اقبال عالمِ انسانیت کا ایک بہی خواہ خادم تھا اور جس نے اُسے صرف مسلمانانِ ہند یا مسلمانانِ عالم کا ہی خدمت گزار سمجھا، اُس نے اس مردِ آفاقی کی فطرت کے سمجھنے میں بے حد غلطی کی ہے۔ مکاتیب میں بھی اس جذبہ خدمتِ انسانیت کا تذکرہ آگیا ہے۔ ع

قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

لکھنے والے نے شولال شوری کو لکھا ہے :

"بنی نوعِ انسان کی وحدت کا خیال اس شدید قومیت کے دور میں جس کا ماحصل انسان میں باہمی خانہ جنگی کے سوا کچھ نہیں، محتاجِ اشاعت ہے۔ اگر آپ کے پمفلٹ کا یہی موضوع ہے تو بلاشبہ آپ کی تشخیص درست ہے۔"

عطیۂ خطوط کے لئے استدعا

خطوط کی فراہمی کا کام بشرطِ زندگی جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ کیا عجب ہے کہ حالات دوبارہ سازگار ہو جائیں اور ہند اور بیرونِ ہند سے ایسے ایسے خزانے دستیاب ہو جائیں جو اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ تاہم اندکم ان دونوں جلدوں میں مکاتیب کی تعداد میں اضافہ

کی صورت ہی پیدا ہو جائے۔ اقبال کے افکار سے وسیع حلقہ کو رُوشناس
کرانے کی غرض سے اس مجموعہ کے اہم مکاتیب کو انگریزی اور فارسی
میں شائع کرانے کا عزم ہے۔ ممکن ہُوا تو عربی میں بھی اس کی اشاعت
کا اہتمام پیشِ نظر رہیگا۔ عقیدتمندانِ اقبال سے استدعا ہے کہ اُن کے
پاس جو خطوط موجود ہوں، وہ مرحمت فرمادیں۔ جن لوگوں کے پاس خطوط
ہیں، اُن کا پتہ دیں اور اُن خطوط کے حصول میں میری اعانت فرمائیں۔
میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو جہاں میرا شباب اُن نوجوانانِ ملت کی خدمت
میں صرف ہُوا جو متعدد اعتبارات سے بےمثال تھے، چلا آیا ہوں۔
بصد حسرت و یاس اُس عظیم الشان درس گاہ اور اُن نوجوانوں کی خدمت
کے شرف و سعادت کی یاد اب میرا سرمایۂ حیات ہے۔ اب ہیلی کالج
آف کامرس لاہور میں کام کر رہا ہوں اور اسی پتہ پر اس سلسلہ میں
معلومات اور اطلاعات کا طالب ہوں۔

عطاءاللہ
ہیلی کالج آف کامرس
لاہور

یکم مارچ ۱۹۵۱ء

اقبال نامہ
یعنی
مجموعۂ مکاتیبِ اقبال
حصہ دوم

انتساب

خضرِ اقبال

شمس العلماء مولانا میر حسن مرحوم و مغفور

کی یاد میں

جن کے فیض صحبت اور نگہ کیمیا اثر کا انتہائی عقیدتمندانہ اعتراف خود اقبال کو تھا:-

وہ شمع بارگہِ خاندانِ مرتضوی ؑ
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ دان مجھ کو

ملت کی اس دعا اور تمنا کے ساتھ کہ ملت کو پھر ایک میر حسن اور پھر ایک اقبال عطا ہو۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کو اپریٹیو کیپیٹل پرنٹنگ پریس وطن بلڈنگ لاہور میں چھپوا کر شیخ محمد اشرف پرنٹر و پبلشر نے
کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا۔

(قائدِ اعظم) محمد علی جناح کے نام

(۱)————(۱)

لاہور　　(یہ تمام خطوط انگریزی میں ہیں)

۲۳-مئی ۱۹۳۶ء

ڈیر مسٹر جناح!

والا نامہ ابھی ابھی موصول ہُوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کے کام کی ترقی و کامرانی کی اطلاع موجبِ صد ہزار مسرّت ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ پنجاب پارٹیاں بالخصوص احرار و اتحادِ ملّت تھوڑی بہت نزاع و کشمکش کے بعد انجام کار آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ اتحادِ ملّت کے ایک سرگرم کارکن نے چند روز ہوئے مجھ سے یہی رائے ظاہر کی تھی۔ مولوی ظفر علی خاں کے رویّہ کے متعلق ابھی خود اتحادِ ملّت والے کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن ان باتوں کے لئے ابھی کافی وقت ہے ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائیگا

کہ اتحادِ ملت والوں کو اسمبلی میں اپنی نمایندگی سپرد کرنے کے متعلق رائے دہندگان کا کیا خیال ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ ملاقات کا آرزومند

مخلص

محمد اقبال

(۲)————————(۲)

لاہور

۹۔ جون ۳۶ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

میرا تیار کیا ہوا مسودہ ارسال خدمت ہے۔ کل کے ایسٹرن ٹائمز کا ایک تراشہ بھی ملفوف ہے۔ یہ گورداسپور کے ایک قابل وکیل کا خط ہے۔ مجھے امید ہے کہ بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والے بیان میں تمام اسکیم کی پوری تفصیل موجود ہو گی اور ساتھ ہی اب تک اس اسکیم کے خلاف جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں اُن کا جواب بھی موجود ہو گا۔ اس بیان میں لگی لپٹی رکھے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ حیثیت

کا ہندوؤں اور حکومت دونوں سے متعلق ایک واضح اور صاف صاف اعلان ہونا چاہیئے ۔ اس بیان میں یہ انتباہ بھی موجود ہونا چاہیئے کہ اگر مسلمانان ہند نے موجودہ اسکیم کو اختیار نہ کیا تو وہ نہ صرف جو کچھ گذشتہ پندرہ برس میں حاصل کر چکے ہیں اُسے ہی کھو دیں گے بلکہ اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں درہم برہم کر کے اپنے لئے خسارے کا باعث ہونگے ۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد

میں نہایت ممنون ہونگا اگر اخبارات میں بھیجنے سے قبل مجوزہ بیان کی نقل مجھے بھیج دیں ۔ اس بیان میں بعض دوسرے مسائل کی طرف بھی توجہ لازمی ہے ۔ مثلاً

(۱) مرکزی اسمبلی کے لئے بالواسطہ انتخاب نے ہمارے لئے یہ لازمی ولابدی کر دیا ہے کہ صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان نمائندے ایک کُل ہند پالیسی اور پروگرام پر متحد ہو جائیں تاکہ وہ مرکزی اسمبلی میں صرف ایسے

لوگوں کو بھیج سکیں جو مرکزی اسمبلی میں اسلامی ہند کے اُن مرکزی مسائل کی تائید و حمایت کریں جو ہندوستان کی دوسری بڑی قوم کی حیثیت سے مسلمانوں سے متعلق ہوں۔ جو لوگ اس وقت صوبائی پالیسی اور پروگرام کے حامی ہیں۔ وہی آئین میں مرکزی اسمبلی کے لئے بالواسطہ انتخاب کے طریق کو جزو آئین بنوانے کے ذمّہ دار ہیں۔ بلاشبہ ایک غیر ملکی حکومت کی مصلحتوں کا یہی تقاضا تھا۔ اب جبکہ قوم بالواسطہ انتخابات کی مصیبت کا علاج لیگ اسکیم کے مطابق ایک کُل ہند طریق انتخابات کے ذریعہ جسے تمام صوبائی اُمیدواروں کو لازماً اختیار کرنا ہوگا کرنا چاہتی ہے تو پھر وہی سورما دوبارہ ایک غیر ملکی حکومت کے اشارہ پر قوم کو اپنی شیرازہ بندی کی کوششوں میں ناکام بنانے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔

(۲) اسلامی اوقاف (جیسا کہ مسجد شہید گنج نے ضرورت کا احساس کرایا ہے) سے متعلق قانون اور اسلامی ثقافت۔ زبان، مساجد اور قانونِ شریعت سے متعلق مسائل پر بھی بیان میں توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد اقبال

(۳)————(۳)

لاہور

۲۵۔جون ۱۹۳۶ء　　　صیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

سر سکندر حیات دو ایک روز گذرے روانہ ہو چکے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ بمبئی میں آپ سے مل کر بعض اہم امور پر گفتگو کرینگے کل شام دولتانہ مجھ سے ملے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ممبران حسب ذیل اعلان کے لئے تیار ہیں:۔

"کہ اُن تمام امور میں جو مسلمانوں سے بحیثیت ایک کُل ہند اقلیت کے متعلق ہیں وہ لیگ کے فیصلے کے پابند ہوں گے اور صوبائی اسمبلی میں کسی غیر مسلم پارٹی کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرینگے"

بشرطیکہ صوبائی لیگ بھی حسب ذیل اعلان کرنے کو تیار ہو:۔

"کہ وہ مسلم ارکانِ اسمبلی جو لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی میں پہنچتے ہیں اُس پارٹی سے موالات کرینگے جس میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہو"

ازراہِ کرم اوّلین فرصت میں مجھے مطلع فرمائیے کہ اس تجویز کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ سر سکندر حیات سے جو گفتگو ہو اس کے نتیجہ سے بھی مطلع فرمائیے۔ اگر آپ سر سکندر حیات کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ہمارے ساتھ شامل ہو سکینگے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(۴۴) ——— (۴۴)

میو روڈ۔ لاہور

۲۳۔ اگست سنہ ۳۶ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

امید ہے میرا اس سے پیشتر کا خط آپ کو مل گیا ہوگا۔ پنجاب پارلیمنٹری بورڈ اور یونینسٹ پارٹی میں مفاہمت کے متعلق کچھ گفتگو ہو رہی ہے۔ ازراہِ کرم ایسی مفاہمت کی شرائط اور اس سے متعلق اپنی رائے سے مطلع فرمائیے۔ اخبارات سے معلوم ہوا

تھا کہ آپ نے بنگال پر وجا پارٹی اور پارلیمنٹری بورڈ میں مصالحت کرادی ہے۔ اس مصالحت کی شرائط سے اطلاع دیجئے۔ چونکہ پروجا پارٹی یونینسٹ کی طرح ایک غیر فرقہ وارانہ پارٹی ہے۔ بنگال ہیں یہ مصالحت یہاں بھی آپ کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص
محمد اقبال

(۵)――――(۵)

لاہور

۲۰۔ مارچ ۱۹۳۷ء　　　　بصیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

اُمید ہے پنڈت جواہر لعل نہرو کا وہ خطبہ جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانونیشن کے اجلاس میں فرمایا ہے آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہوگا اور ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق اس خطبہ میں جو مسلک کارفرما ہے اُس پر آپ نے پورے طور پر غور کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ

آپ کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہے کہ ہندوستان اور اسلامی ایشیا کی آئندہ سیاسی ترقیات کے پیشِ نظر دستورِ جدید ہندی مسلمانوں کو اپنی تنظیم کے لئے ایک نادر موقع بہم پہنچاتا ہے۔

اگرچہ ہم ملک میں تمام ترقی پسند پارٹیوں کے ساتھ موالات کے لئے تیار ہیں۔ تاہم ہمیں اس حقیقت کو ہرگز پس پشت نہ ڈالنا چاہیئے کہ ایشیا میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقتدار کا دار و مدار تمام تر ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ آل انڈیا نیشنل کانوینشن کو ایک پُرزور جواب دیا جائے۔ آپ کو چاہیئے کہ دہلی میں جلد از جلد ایک آل انڈیا مسلم کانوینشن منعقد کریں۔ جس میں نئی صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے علاوہ دوسرے مقتدر مسلم راہنماؤں کو بھی دعوتِ شمولیت دی جائے۔ آپ کو چاہیئے کہ اس اسلامی مؤتمر کی طرف سے پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں۔ یہ امر لابدی ہے کہ ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان کی دُنیا کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہندوستان میں

حل طلب مسئلہ صرف معاشی مسئلہ ہی نہیں ہے بلکہ ہندی مسلمانوں کی اکثریت کی نگاہ میں ہندوستان میں تہذیبِ اسلامی کا مستقبل اگر معاشی مسئلہ سے زیادہ اہم نہیں تو اس سے کسی طرح کم اہمیت کا حامل بھی نہیں۔

اگر آپ ایسی کانونیشن منعقد کر سکیں تو اُن مسلم ارکانِ مجالس واضع قوانین کی حیثیت کا پول بھی کھُل جائیگا جنہوں نے مسلمانوں کی خواہشوں اور تمنّاؤں کے خلاف اپنی اپنی جداگانہ پارٹیاں قائم کرلی ہیں۔ مزید براں اس کانونیشن سے ہندوؤں پر بھی یہ عیاں ہو جائے گا کہ کوئی تدبیر خواہ وہ کس قدر ہی عیّارانہ کیوں نہ ہو ہندی مسلمانوں کو اپنی ثقافتی وحدت سے غافل نہیں کر سکتی۔ میں چند روز تک دہلی آرہا ہوں اور اس اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو کرونگا۔ میرا قیام افغانی قونصل خانہ میں ہوگا۔ اگر آپ کو کچھ فرصت میسّر آسکے تو وہیں ہمارا مقامِ ملاقات ہونا چاہیئے۔ ازراہِ کرم اس خط کے جواب میں چند سطور جلد از جلد تحریر فرمائیے۔

مخلص
محمد اقبال

تحریر مابعد

معاف فرمائیے ضعفِ بصارت کی وجہ سے یہ خط میں نے ایک دوست سے لکھوایا ہے۔

(۶)————(۶)

لاہور

۲۲۔اپریل ۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

دو ہفتے گزرے میں نے دہلی کے پتہ پر ایک خط لکھا تھا۔ معلوم نہیں شرفِ ملاحظہ حاصل کر سکا یا نہیں۔ بعد میں جب میں خود دہلی پہنچا تو آپ تشریف لے جا چکے تھے۔ اُس خط میں مَیں نے تجویز کی تھی کہ ہم فوراً کسی مقام پر مثلاً دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کانونشن منعقد کریں اور ایک مرتبہ پھر حکومت اور ہندوؤں دونوں کیلئے مسلمانوں کی پالیسی کا اعلان کیا جائے۔ چونکہ صورتِ حال نازک تر ہوتی جارہی ہے اور پنجاب کے مسلمان اُن وجوہ کی بنا پر جن کی تشریح و تفصیل اس وقت غیر ضروری ہے۔ کانگرس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ میں آپ

سے درخواست کرونگا کہ آپ اس مسئلہ پر جلد از جلد غور کریں اور اس کے متعلق اوّلین فرصت میں فیصلہ کریں۔ مسلم لیگ کا اجلاس تو اگست تک کے لئے ملتوی ہو چکا ہے لیکن حالات اسلامی پالیسی کے فوری اعلانِ مکرّر کے مقتضی ہیں۔ اگر کانونیشن کے اجلاس سے قبل متفقد مسلمان لیڈروں کا ایک دورہ بھی ہو جائے تو کانونیشن یقیناً نہایت کامیاب رہیگی۔ ازراہِ کرم اس خط کا جواب اوّلین فرصت میں دیجئے۔

مخلص

محمد اقبال

(۷)—————(۷)

لاہور

۲۸ - مئی سنہ ۳۷ء

بصیغہ راز مائی ڈیر مسٹر جناح

نوازش نامہ موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ یہ اطلاع کہ لیگ کے دستور و پروگرام میں جن تغیرات کی طرف میں نے آپ

کی توجہ مبذول کرائی تھی وہ آپ کے پیشِ نظر رہینگے، موجبِ مسرت واطمینان ہوئی۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اسلامی ہند کی نزاکتِ حالات کا آپ کو پورا پورا احساس ہے۔ لیگ کو انجام کار یہ فیصلہ کرنا ہی پڑیگا کہ وہ مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندہ بنی رہے یا مسلمان عوام کی نمائندگی کا حق ادا کرے جنہیں اب تک نہایت بجا طور پر لیگ میں کوئی وجہ دلکشی نظر نہیں آئی۔ میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو عام مسلمانوں کی بہبودی کی ضامن نہ ہو عوام کے لئے باعثِ کشش نہیں ہوسکتی۔

نئے دستور کے ماتحت بڑی بڑی آسامیاں تو اعلیٰ طبقات کے بچوں کے لئے وقف ہیں اور چھوٹی چھوٹی وزرار کے دوستوں اور رشتہ داروں کی نذر ہوجاتی ہیں۔ دوسرے اعتبارات سے بھی ہمارے سیاسی ادارات نے غریب مسلمان کی اصلاحِ حال کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی۔

روٹی کا مسئلہ روز بروز شدید تر ہوتا چلا جارہا ہے مسلمان محسوس کررہے ہیں کہ گذشتہ دو سو سال سے اُن کی حالت مسلسل

گر تی چلی جا رہی ہے مسلمان سمجھتے ہیں کہ اُن کے افلاس کی ذمہ داری ہندو کی ساہوکاری و سرمایہ داری پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن یہ احساس کہ ان کے افلاس میں غیر ملکی حکومت بھی برابر کی حصہ دار ہے۔ اگرچہ ابھی قوی نہیں ہوا۔ لیکن یہ نظریہ بھی پوری قوت و شدت حاصل کر کے رہیگا۔

جواہر لال کی منکر خدا اشتراکیت مسلمانوں میں کوئی تاثر پیدا نہ کر سکے گی۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے کیونکر نجات دلائی جا سکتی ہے؟ لیگ کا مستقبل اس امر پر موقوف ہے کہ وہ مسلمانوں کو افلاس سے نجات دلانے کے لئے کیا کوشش کرتی ہے۔ اگر لیگ کی طرف سے مسلمانوں کو افلاس کی مصیبت سے نجات دلانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تو مسلمان عوام پہلے کی طرح اب بھی لیگ سے بے تعلق ہی رہیں گے۔

خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ میں اس مسئلہ کا حل موجود ہے اور فقہ اسلامی کا مطالعہ مقتضیات حاضرہ کے پیش نظر دوسرے مسائل کا حل بھی پیش کر سکتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے۔ ایک مصیبت تو یہ ہے کہ کسی ایک آزاد اسلامی ریاست یا ایسی چند ریاستوں کی عدم موجودگی میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ اس ملک میں محال ہے۔ سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور میں اب بھی اسے ہی مسلمانوں کے افلاس اور ہندوستان کے امن کا بہترین حل سمجھتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں اس طریق کار پہ عمل درآمد اور اس مقصد کا حصول ناممکن ہے تو پھر صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے اور وہ خانہ جنگی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کئی سالوں سے شروع ہے۔

مجھے قوی اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین کی سی صورت حال پیدا ہو جائیگی۔ جواہر لال کی اشتراکیت خود ہندوؤں میں کشت و خون کا موجب ہوگی۔ معاشری جمہوریت اور برہمنیت کے درمیان وجہ نزاع برہمنیت

اور بدھ مت کے درمیان وجہ نزاع سے مختلف نہیں ہے۔ آیا اشتراکیت کا حشر ہندوستان میں [illegible] سا ہوگا یا نہیں؟ میں اس کے متعلق تو کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اس قدر صاف نظر آتا ہے کہ ہندو دھرم معاشری جمہوریت (سوشل ڈیماکریسی) اختیار کر لیتا ہے تو خود ہندو دھرم کا خاتمہ ہے۔

اسلام کے لئے سوشل ڈیماکریسی کی کسی موزوں شکل میں ترویج جب اُسے شریعت کی تائید و موافقت حاصل ہو حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں بلکہ اسلام کی حقیقی پاکیزگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ مسائل حاضرہ کا حل مسلمانوں کے [illegible] ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ لیکن جیسا اوپر ذکر کر چکا ہوں [illegible]ی ہندوستان میں ان مسائل کے حل بآسانی رائج کرنے کے [illegible] کی تقسیم کے ذریعہ ایک یا زائد اسلامی ریاستوں کا قیام اشد الضروری ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبہ کا وقت نہیں آن پہنچا؟ شاید جواہر لال کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ بہترین جواب ہے۔

بہرحال میں نے اپنے خیالات آپ کی خدمت میں اس اُمید پر

پیش کر دیئے ہیں کہ آپ اُن پر اپنے خطبہ یا لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں پوری پوری توجہ مبذول کر سکیں۔

اسلامی ہندوستان کو امید ہے کہ اس نازک دور میں آپ کی فطانت و فراست ہماری موجودہ مشکلات کا کوئی حل تجویز کر سکے گی۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد

اس نیاز نامہ کے موضوع پر میرا ارادہ تھا کہ آپکے نام اخبارات میں ایک کھلا خط شائع کراؤں۔ لیکن مزید غور پر میں نے موجودہ وقت کو اس کے لئے موزوں نہ پایا۔

(۸)――――――(۸)

لاہور

۲۱۔ جون ۱۹۳۷ء　　بصیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

نوازش نامہ کل موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ کی بے پناہ مصروفیت سے آگاہی رکھنے کے باوجود آپ کو اکثر لکھتے رہنے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کو اس طوفانِ بلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید ملک کے گوشہ گوشہ سے اُٹھنے والا ہے، صرف آپ ہی کی ذات گرامی سے رہنمائی کی توقع ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہم فی الحقیقت خانہ جنگی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ فوج اور پولیس موجود نہ ہو تو یہ خانہ جنگی چشم زدن میں عالمگیر ہو جائے۔ گذشتہ چند ماہ سے ہندو مسلم فسادات کا ایک سلسلہ سا قائم ہو چکا ہے۔ صرف شمال مغربی ہند میں ان تین ماہ میں کم از کم تین فرقہ دارانہ فسادات رونما ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے توہینِ رسولؐ کی کم از کم چار وارداتیں پیش آ چکی ہیں۔ توہینِ رسولؐ کی ان چاروں وارداتوں میں مجرم فی النار کر دیا گیا۔ سندھ میں قرآن کریم کے نذر آتش کرنے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ صورتِ حال کا نظرِ غائر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان حالات کے اسباب نہ مذہبی ہیں نہ معاشی بلکہ خالص سیاسی ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں بھی

ہندو اور سکھوں کا مقصد مسلمانوں پر خوف و ہراس طاری کر دینا ہے
آئین کی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ اپنی اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمانوں
کا دار و مدار تمام تر غیر مسلموں پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم وزارت
بہ صرف کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ وزارت کو خود مسلمانوں
سے ناانصافی برتنی پڑتی ہے تاکہ وہ لوگ جن کی امداد پر وزارت
قائم ہے خوش رہ سکیں اور دوسروں پر ظاہر کیا جا سکے کہ وزارت
قطعی طور پر غیر متعصب ہے۔ لہٰذا یہ ایک عالم آشکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں
کے پاس اس آئین کو رد کرنے کے خاص وجوہ موجود ہیں۔ مجھے تو ایسا
نظر آتا ہے کہ دستور جدید ہندوؤں ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے
لئے وضع کیا گیا ہے۔ اُن صوبوں میں جہاں ہندو آبادی کی اکثریت
ہے حکومت میں ہندوؤں کو قطعی اکثریت حاصل ہے اور وہ مسلمانوں
کو بالکل نظر انداز کر سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے مسلم اکثریت کے
صوبوں میں مسلمانوں کو ہندوؤں کا دست نگر رکھا گیا ہے۔ مجھے اس
امر میں قطعاً ذرہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ موجودہ
دستور ہندی مسلمانوں کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ مزید براں

بہ دستور رہا تو اس معاشی تنگدستی کا جو شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے، کوئی علاج ہی نہیں۔ فرقہ وارانہ فیصلہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی ہستی کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن کسی قوم کی سیاسی ہستی کا ایسا اعتراف جو اُس کی معاشی پسماندگی کا کوئی حل نہ تجویز کرتا ہو اور نہ کر سکے اُس کے لئے بے سود ہے۔ کانگرس کے صدر نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی حیثیت سے ہی انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت یعنی ہندو مہا سبھا نے جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ قومیت کا وجود ہندوستان میں ناقابلِ قبول ہے۔

ہندوستان میں قیامِ امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ و تسلّط سے بچانے کی واحد ترکیب اُس طریق پر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے مسلم صوبوں کے ایک جداگانہ وفاق میں اسلامی اصلاحات کا نفاذ ہے۔ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو ہند اور بیرونِ ہند کی دوسری اقوام کی طرح حقِ خود اختیاری سے کیونکر محروم کیا جا سکتا ہے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان

اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ مسلم اکثریت و مسلم اقلیت کے صوبوں کا بہترین مفاد اس وقت اسی طریق سے وابستہ ہے۔ لیگ کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیت کے صوبہ میں منعقد کرنے کے بجائے پنجاب میں منعقد کرنا بہتر ہوگا۔ لاہور میں اگست تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میری رائے میں آپ کو لاہور میں وسط اکتوبر میں جب موسم خوشگوار ہو جاتا ہے لیگ کے اجلاس کے انعقاد کے امکان پر غور کرنا چاہیئے۔ پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ سے دلچسپی بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور لیگ کے آئندہ اجلاس کا لاہور میں انعقاد پنجابی مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے لئے از حد مفید ہوگا۔

اندریں حالات یہ بالکل عیاں ہے کہ ہندوستان کا امن نسلی، مذہبی اور لسانی میلانات کی بنا پر ملک کی تقسیم مکرر پر موقوف ہے۔ اکثر برطانوی مدبر بھی اس نظریے کے قائل ہیں۔ ہندو مسلم فسادات جو اس دستور جدید کے جلو میں پوری تیزی سے رونما ہو رہے ہیں امید ہے ان پر یہ حقیقت ناقابل تردید طور پر واضح کر دیں گے۔ مجھے یاد ہے

انگلستان سے میری روانگی کے وقت لارڈ لوہین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہندوستان کی مشکلات کا حل تو تمہاری اسکیم میں موجود ہے لیکن اس کے بار آور ہونے کے لئے پچیس سال کی مدت درکار ہوگی۔ پنجاب کے بعض مسلمان تو پہلے ہی شمال مغربی ہند کی ایک مسلم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پر غور کر رہے ہیں اور یہ خیال پھیلتا جا رہا ہے۔

اس امر میں میں آپ کا ہم خیال ہوں کہ ہماری قوم ابھی تک نظم و ضبط سے محروم ہے، اور شاید ابھی کانفرنس کے انعقاد کے لئے ابھی وقت ساز گار نہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اپنے خطبہ میں کم از کم اس طریق عمل کی طرف اشارہ ضرور کر دینا چاہئے۔ جو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو انجام کار مجبوراً اختیار کرنا ہی پڑے گا۔

میرے خیال میں تو دستور جدید سارے ہندوستان کو ایک ہی وفاق میں مربوط کر لینے کی تجویز کی بنا پر حد درجہ یاس انگیز ہے۔

مخلص
محمد اقبال

(۹)ــــــــــ(۹)

لاہور
۱۱۔اگست ۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

واقعات نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ لیگ کو اپنی تمام تر توجہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں پر مبذول کرنی چاہیے۔ لیگ کے دہلی دفتر نے مسٹر غلام رسول کو اطلاع دی ہے کہ مسلم لیگ کے اجلاس کی تاریخ تاحال مقرر نہیں ہوئی۔ اندریں حالات مجھے اندیشہ ہے کہ اگست اور ستمبر میں اجلاس منعقد ہی نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا میں مکرر درخواست کرتا ہوں کہ لیگ کا اجلاس اکتوبر کے وسط یا آخر میں لاہور میں منعقد کیا جائے۔ پنجاب میں لیگ کے لئے روز افزوں سرگرمی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ لاہور میں لیگ کا اجلاس لیگ کی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں باب ثابت ہوگا اور عوام کو لیگ کے حلقۂ اثر میں لانے کے لئے ایک اہم ذریعہ۔ ازراہِ کرم اس خط کا دو حرفی جواب ضرور دیں۔

مخلص
محمد اقبال

(۱۰) ——— (۱۰)

لاہور
۷۔ اکتوبر ۳۷ء بصیغۂ راز

مائی ڈیر جناح

امید ہے پنجاب سے خاصی تعداد لکھنؤ اجلاس میں شمولیت کے لئے پہنچے گی۔ یونینسٹ مسلمان بھی سر سکندر کی قیادت میں شمولیت کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان آپ سے متوقع ہیں کہ اس پُر آشوب زمانے میں آپ ان کے مستقبل سے متعلق اُن کی کامل اور واضح ترین راہنمائی فرمائیں گے۔ میری تجویز ہے کہ لیگ کمیونل اوارڈ (Communal Award) سے متعلق اپنی پالیسی ایک مناسب قرار داد کی صورت میں واضح کر دے۔ خود پنجاب اور معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں بھی بعض گمراہ مسلمان اس فیصلہ کو اس طرح بدل دینے کے لئے تیار ہیں کہ یہ ہندوؤں کے حق میں زیادہ مفید ہو جائے ایسے لوگ بخوشی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کر لینے کے بعد وہ اپنا موجودہ اثر و اقتدار بحال رکھ سکیں گے

ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ انگریز ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتا ہے اور ہندو کومیونل آوارڈ کا خاتمہ کرنے والوں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ ہونگے۔ اس لئے برطانوی حکومت اپنے مسلمان ایجنٹوں کے کندھوں پر ہی اس کا جنازہ اُٹھوانا چاہتی ہے۔

لیگ کونسل کے لئے ۲۸۔ افراد کی ایک فہرست تیار کرونگا مسٹر غلام رسول آپ کو وہ فہرست دکھا دینگے۔ مجھے امید ہے یہ انتخاب پورے غور و خوض سے کیا جائیگا۔ ہمارے آدمی لاہور سے ۱۳۔ کو روانہ ہونگے۔

مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو مضطرب کر رکھا ہے۔ لیگ کے مقاصد کے لئے مسلمان عوام سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمارے لئے یہ ایک نادر موقع ہے۔ مجھے امید ہے کہ لیگ اس مسئلہ پر ایک مناسب قرارداد ہی منظور نہیں کرے گی بلکہ لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس میں کوئی ایسی راہِ عمل بھی معین کی جائیگی جس میں مسلمان عوام بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں۔ اس طریق سے ایک طرف تو لیگ کو ہردلعزیزی حاصل ہو گی اور دوسری طرف شاید فلسطین کے

عربوں کو بھی فائدہ پہنچ جائے۔

ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کے لئے جس کا اثر ہندوستان اور اسلام دونوں پر پڑتا ہو جیل جانے کے لئے تیار ہوں۔ ایشیا کے دروازے پر ایک مغربی چھاؤنی کا مسلط کیا جانا اسلام اور ہندوستان دونوں کے لئے پُر خطر ہے۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد

لیگ کو اس امر کی قرارداد پاس کرنی چاہیئے کہ کوئی صوبہ دوسری اقوام کے ساتھ کمیونل ایوارڈ سے متعلق کوئی سمجھوتہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق تمام ہندوستان سے ہے لہٰذا اسے طے کرنے کا حق صرف لیگ ہی کو حاصل ہوگا۔ شاید ایک قدم آگے بڑھا کر آپ کہہ سکتے ہیں موجودہ فضا کسی فرقہ وارانہ مصالحت کے لئے سازگار نہیں۔

(۱۱)ـــــــــــ(۱۱)

لاہور

۳۰- اکتوبر ۳۷ئہ　　　بصیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

امید ہے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی قرارداد آپ کے ملاحظہ سے گذری ہو گی۔ آپ کی بروقت تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ ہم سب کانگریس کی قرارداد پر آپ کے خیالات کے منتظر ہیں۔ لاہور کے اخبار ٹریبون نے تو اس پر مخالفانہ اظہار رائے کر دیا ہے اور مجھے امید ہے ہندو بالعموم اس کی مخالفت ہی کرینگے۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس کا اثر خواب آور نہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں مسلمانوں کی تنظیم کے لئے اپنی تمام قوتیں ہمیشہ سے زیادہ گرمجوشی کے ساتھ وقف کر دینی چاہئیں اور اس وقت تک دم نہ لینا چاہیئے جب تک پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی اور بلوچستان کو اصلاحات نہیں ملتیں۔

یہاں افواہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک حصہ لیگ کے مسلک

پر دستخط کرنے کو تیار نہیں۔ ابھی تک سر سکندر اور ان کی پارٹی نے
دستخط نہیں کئے اور آج صبح معلوم ہوا کہ وہ لیگ کے آئندہ اجلاس
تک انتظار کرینگے۔ جیسا کہ خود ان میں سے ایک ممبر نے مجھ سے کہا
ان کا منشا صوبائی لیگ کی قوت عمل کو معطل کر دینا ہے۔
چند دن تک جملہ حالات و واقعات سے آپ کو آگاہ کروں گا۔
اور پھر عمل کے لئے آپ کی ہدایات کا منتظر رہونگا۔ مجھے امید ہے
کہ آپ اجلاس لاہور سے قبل کم از کم دو ہفتے پنجاب کے دورے
کے لئے ضرور وقت کرینگے۔

مخلص
محمد اقبال

(۱۲)————(۱۲)

لاہور
یکم نومبر ۱۹۳۷ء ضروری

مائی ڈیر مسٹر جناح
سر سکندر حیات خاں اپنی پارٹی کے چند ممبران کے ساتھ کل

میرے پاس تشریف لائے۔ لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے اختلافات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ طرفین کی طرف سے اس سے پہلے بھی اخبارات میں بیانات شائع ہوئے ہیں اور ہر فریق نے جناح سکندر معاہدہ کی شرائط کی اپنے مقصد کے موافق تشریح و توضیح کی ہے۔ اس سے بہت زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں یہ بیانات جلد ہی آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال خدمت کرونگا۔ جس معاہدہ پر سر سکندر کے دستخط ہیں معلوم ہوا ہے وہ آپ کے پاس ہے۔ ازراہِ کرم اس کی ایک نقل اولین فرصت میں مرحمت فرمائیں۔ مزید براں یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا آپ نے یہ منظور کر لیا تھا کہ صوبائی پارلیمنٹری بورڈ یونینسٹ پارٹی کے اختیار میں رہے۔ سر سکندر نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے یہ قبول کر لیا تھا۔ لہٰذا اُن کا مطالبہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کو بورڈ میں اکثریت حاصل ہونی چاہیئے۔ جہاں تک میرا خیال ہے ایسی شرط جناح سکندر معاہدہ میں موجود نہیں۔

ازراہِ کرم اولین فرصت میں اس خط کا جواب مرحمت فرمائیں

ہمارے آدمی صوبہ میں دورہ کر رہے ہیں اور مختلف مقامات پر لیگ کی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ گذشتہ شب لاہور میں ایک نہایت کامیاب جلسہ منعقد ہوا۔ امید ہے ایسے ہی اور بھی جلسے ہونگے۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۳)—————(۱۳)

لاہور

۱۰ نومبر ۱۹۳۶ء بصیغہ راز

مائی ڈیر مسٹر جناح

سر سکندر اور اُن کے دوستوں سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اب میری قطعی رائے ہے کہ سر سکندر لیگ اور پارلیمنٹری بورڈ پر اپنا پورا پورا قبضہ چاہتے ہیں۔ آپ کے ساتھ اُن کے معاہدہ میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل از سر نو عمل میں آئیگی اور یونینسٹوں کو بورڈ میں اکثریت حاصل ہوگی۔ سر سکندر کہتے ہیں کہ آپ نے بورڈ میں اُن کی اکثریت تسلیم کی تھی۔ میں نے چند دن ہوئے آپ

سے دریافت کیا تھا کہ آیا آپ نے فی الواقعہ پارلیمنٹری بورڈ میں یونینسٹ اکثریت منظور کر لی تھی۔ ابھی تک جواب کا انتظار ہے ذاتی طور پر میں سر سکندر کو وہ اکثریت دینے کا مخالف نہیں جس کے وہ طالب ہیں۔ لیکن عہدہ داران لیگ میں ردّ و بدل کا مطالبہ یقیناً منشائے معاہدہ سے تجاوز کرتا ہے بالخصوص موجودہ معتمد (جنھوں نے لیگ کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں) کی علیحدگی کا مطالبہ معقولیت سے دُور ہے۔

سر سکندر یہ بھی چاہتے ہیں کہ لیگ کی مالیات پر بھی اُن ہی کا آدمی مسلط ہو۔ مجھے تو اس تمام کھیل کا مقصد لیگ پر پہلے قبضہ جمانا اور پھر اس کا جنازہ نکال دینے کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ صوبے کی رائے سے آگاہی رکھتے ہوئے میں لیگ کو سر سکندر اور ان کے دوستوں کے حوالے کر دینے کی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں اس معاہدہ نے پہلے ہی صوبہ میں لیگ کے وقار کو صدمہ پہنچایا ہے اور یونینسٹوں کی چالیں اسے اور بھی چرکے لگا ئینگی۔ انھوں نے اب تک لیگ کے مسلک پر دستخط نہیں کئے اور میں سمجھتا ہوں

نہ ہی وہ ایسا کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لیگ کا اجلاس لاہور میں فروری کی بجائے اپریل میں منعقد ہو۔ میرے خیال میں وہ اپنی زمیندارہ لیگ کے قیام و استحکام کے لیئے اس طرح مہلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً آپ کو علم ہوگا کہ لکھنؤ سے واپسی پر سر سکندر نے ایک زمیندارہ لیگ کی بنا ڈالی تھی جس کی شاخیں اب صوبہ بھر میں قائم کی جا رہی ہیں۔

ازراہِ کرم مجھے مطلع فرمایئے کہ اندریں حالات ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اوّل بذریعہ تار اپنی رائے سے مطلع فرمایئے۔ ولّا بعد اوّلین فرصت میں پوری تفصیل سے تحریر فرمایئے۔

مخلص

محمد اقبال

━━━━━━━━

لسان العصر اکبر الہ آبادی کے نام

(۱۴)——(۱)

لاہور
۶- اکتوبر ۱۱ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ سید صاحب۔ السلام علیکم
کل ظفر علی خاں صاحب سے سنا تھا کہ جناب کو چوٹ آ گئی
اُسی وقت سے میرا دل بے قرار تھا اور میں عریضہ خدمت عالی میں
لکھنے کو تھا کہ آج جناب کا محبت نامہ ملا۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
اپنے فضل و کرم سے اس تکلیف کو رفع کرے اور آپ کو دیر تک
زندہ رکھے۔ تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُس قلب کی گرمی سے
متاثر ہوں جو خدا نے آپ کے سینے میں رکھا ہے۔
میں آپ کو اُسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی

مرید اپنے پیر کو دیکھے اور وہی محبت و عقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے کہ مجھے آپ سے شرف نیاز حاصل ہو اور میں اپنے دل کو چیر کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے لیکن میں اس ہجوم میں تنہا ہوں۔ ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں جس سے دل کھول کر اپنے جذبات کا اظہار کیا جا سکے۔

طعنہ زن ہے ضبط اور لذت بڑی افشا میں ہے
ہے کوئی مشکل سی مشکل رازداں کے واسطے

لارڈ بیکن کہتے ہیں "جتنا بڑا شہر ہو اتنی ہی بڑی تنہائی ہوتی ہے" سو یہی حال میرا لاہور میں ہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ ماہ میں بعض معاملات کی وجہ سے سخت پریشانی رہی اور مجھے بعض کام اپنی فطرت اور طبیعت کے خلاف کرنے پڑے اور ان ہی میں طبع سلیم میرے لئے شکنجہ کا کام دے گئی۔ کیا خوب کہا گیا ہے عرفی

رستم ز مدعی بقبول غلط ولے
ورنہ ہم از شکنجۂ طبع سلیم خویش

ناتمام نظم کے اشعار آپ نے پسند فرمائے۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوتی ہے کہ آپ میرے اشعار پسند فرماتے ہیں۔ "غرہ شوال" پر چند اشعار لکھے تھے۔ زمیندار اخبار کے عید نمبر میں شائع ہوئے۔ اُن کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے چند اشعار آخر میں ایسے لکھے ہیں کہ ٹرکی و اٹلی کی جنگ نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اگر زمیندار اخبار آپ تک نہ پہنچا ہو تو تحریر فرمائیے، بھجوا دوں گا۔

خواجہ حسن نظامی واپس تشریف لے آئے۔ مجھے بھی اُن سے محبت ہے اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔ خدا آپ کو اور مجھ کو بھی زیارت روضۂ رسول صلعم نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھئے کب جوان ہوتی ہے۔ شیخ عبدالقادر لائل پور میں سرکاری وکیل ہو گئے۔ اب وہ لاہور سے وہاں چلے گئے کچھ دن ہوئے یہاں آئے تھے مگر میں اُن سے نہ مل سکا۔ آرڈر قائم کرنے کا خیال تھا اور اب تک ہے۔ مگر اس راہ میں مشکلات بے حد ہیں اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس مذاق کے لوگ کہاں ہیں۔ بہر حال میں ہم خیال پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں اور کسی

موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتا - آپ دعا کریں -

خیریت مزاج سے مطلع کیجئے - مجھے اس خط کے جواب کا انتظار رہیگا - خدا آپ کو صحتِ کامل کرامت فرمائے -

دعا گو

محمد اقبال - بیرسٹر - لاہور

(۱۵) ——— (۲)

لاہور

۹ - نومبر ۱۱ء

مخدومی! السلام علیکم - آپ کے دونوں نوازش نامے یکے بعد دیگرے موصول ہوئے - الحمد للہ کہ جناب خیریت سے ہیں -

ترکوں کی فتح کا مژدہ جانفزا پہنچا - مسرت ہوئی - مگر اس کا کیا علاج کہ دل کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا - معلوم نہیں روح کیا چاہتی ہے اور آنکھوں کو کس نظارے کی ہوس ہے - میں ایک زبردست تمنّا کا احساس اپنے دل میں کرتا ہوں - گو اس تمنّا کا موضوع مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں - ایسی حالت میں مجھے مسرّت بھی ہو تو

اس میں اضطراب کا عنصر غالب رہتا ہے۔ لاہور کی بستی میں کوئی ہمدم دیرینہ نہیں۔ نام و نمود پر مرنے والے بہت ہیں۔ قومی جلسوں سے بھی پہلو تہی کرتا ہوں۔ ہاں آپ کے خطوط جو میرے پاس سب محفوظ ہیں بار بار پڑھا کرتا ہوں اور تنہائی میں یہی خاموش کاغذ میرے ندیم ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ ارادہ کیا ہے کہ آپ کی خدمت میں استدعا کروں کہ خط ذرا لمبا لکھا کیجئے مگر میں خود لمبا خط لکھنے سے گھبراتا ہوں۔ پھر میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو لمبا خط لکھنے کی زحمت دوں یہ ایک قسم کی روحانی خود غرضی ہوگی جس کا ارتکاب میرے نزدیک گناہ ہے۔ آپ کی ملاقات کے لئے دل تڑپ رہا ہے۔ خدا جلد کوئی سامان پیدا کرے۔ کیا آپ دربار کے موقع پر دہلی تشریف لائیں گے۔

زمیندار میں یہ پڑھ کر نہایت افسوس ہوا کہ 'اردو شاہنامہ' تلف ہوگیا۔ جو شعر اس میں سے شائع ہوتے ہیں وہ بڑے زور کے ہیں

رگِ موج سے خون جاری کریں

اس مصرع پر تو فردوسی اور نظامی بھی رشک کرتے۔

ہاشم طال عمرہٗ کو میری طرف سے بہت بہت پیار کیجئے۔ میری روح کو اس نام سے ایک خاص تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز کرے اور دین دُنیا میں اُسے بامراد کرے سکول کی خواندگی میں اس کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہوگا۔ مگر باوجود اس کے کس قدر خوش نصیب لڑکا ہے کہ پیرانِ مشرق سے فیض کی نظر لے رہا ہے۔ یہی نظر صبغۃ اللہ ہے واحسن فی صبغۃ اللہ

اب کوئی دن جاتا ہے کہ پیران مشرقی دنیا میں نہ رہیں گے اور آئندہ زمانے کے مسلمان بچے نہایت بدنصیب ہونگے۔

میاں ہاشم! اب وقت ہے اس کی قدر کرنا اور جو کچھ پیر مشرقی سے لے سکتے ہو لے لینا۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اس تربیت کے فیض سے زندگی بھر تمہاری روح لذّت اُٹھائیگی۔

خادم

محمد اقبال

لاہور

(۱۶)——————(۳)

لاہور

۱۶۔ جولائی ۱۹۱۲ء

مخدوم مکرم حضرت قبلہ مولنا ۔ السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا جس کو پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی۔ حضرت! میں آپ کو اپنا پیر و مرشد تصوّر کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میری مذمّت کرے جس کا مقصد آپ کی مدح سرائی ہو تو مجھے اس کا مطلق رنج نہیں بلکہ خوشی ہے۔ جب آپ سے ملاقات اور خط و کتابت نہ تھی۔ اس وقت بھی میری ارادت و عقیدت ایسی ہی تھی جیسی اب ہے اور انشاءاللہ جب تک میں زندہ ہوں ایسی ہی رہیگی۔ اگر ساری دُنیا متفق اللّسان ہو کر یہ کہے کہ اقبال پوچ گو ہے تو مجھے اس کا مطلق اثر نہ ہوگا کیونکہ شاعری سے میرا مقصد بقول آپ کے حصولِ دولت و جاہ نہیں محض اظہارِ عقیدت ہے۔

عام لوگ شاعرانہ انداز سے بے خبر ہوتے ہیں اُن کو کیا معلوم کہ کسی شاعر کی داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اگر داد دینے والا

شاعر ہو تو جس کو داد دینا مقصود ہو، اُس کے رنگ میں شعر لکھے۔ یا بالفاظِ دیگر اس کا تتبع کر کے اس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔ میں نے بھی اس خیال سے چند اشعار آپ کے رنگ میں لکھے ہیں مگر عوام کے رجحان و بد مذاقی نے اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیا اور میرے اس فعل سے عجیب و غریب نتائج پیدا کر لئے۔ سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ عطا کرے۔ نقاد کو جو خط آپ نے لکھا ہے میں اُسے شوق سے پڑھونگا۔ اگر وہ شائع ہو جائے تو رسالہ کی کاپی بھیج دیجئے گا۔ میرے پاس نقاد نہیں آتا۔

سبحان اللہ "غم بڑا مدرکِ حقائق ہے" زندگی کا سارا فلسفہ اِس ذرا سے مصرع میں مخفی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور میں اب کے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ ابر روز آتا ہے مگر لاہور کی چار دیواری کے اندر اُسے برسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگست کے ابتدا میں چند روز کے لئے شملہ جانے کا قصد ہے کچہری تین اگست سے بند ہو جائیگی۔ والسلام

آپ کا خادم :- محمد اقبال

(۱۷) ــــــــ (۴)

لاہور

۱۷۔ دسمبر ۱۴ء

مخدومی! السلام علیکم

کل خط لکھ چکا ہوں۔ مگر آپ کے اس شعر کی داد دینا بھول گیا

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے، عقل، عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

سبحان اللہ! کس قدر باریک اور گہرا شعر ہے۔ ہیگل جس کو جرمنی والے افلاطون سے بڑا فلسفی تصور کرتے ہیں اور تخیل کے اعتبار سے حقیقت میں ہے بھی افلاطون سے بڑا۔ اس کا تمام فلسفہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ آپ نے ہیگل کے سمندر کو ایک قطرہ میں بند کر دیا۔ یا یوں کہئے کہ ہیگل کا سمندر اس قطرے کی تفسیر ہے۔

ہیگل لکھتا ہے کہ اصول تناقض ہستی محدود کی زندگی کا راز ہے اور ہستی مطلق کی زندگی میں تمام قسم کے تناقض جو ہستی محدود کا خاصہ ہیں، گداختہ ہو کر آپس میں گھل مل جاتے ہیں۔

کیمبرج کی تاریخ ہندوستان کے لئے جو مضمون اُردو لٹریچر پر مجھے لکھنا ہے، اُس میں اس شعر کا ضرور ذکر کرونگا۔ اسی رنگ کے فلسفیانہ اشعار اور بھی لکھیے کہ خود بھی لذّت اُٹھاؤں اور اوروں کو بھی اس لذّت میں شریک کروں۔ آج مہاراجہ کشن پرشاد کا خط آیا تھا معلوم ہؤا کہ خواجہ نظامی حیدر آباد سے اورنگ آباد چلے گئے خلد آباد کی زیارت مقصود ہو گی۔ میں بھی وہاں گیا تھا اور عالمگیر علیہ الرحمتہ کے مزار پاک پر حاضر ہؤا تھا۔ میرے بڑے بھائی بھی ساتھ تھے۔ کہنے لگے، میں قنات کے اندر نہ جاؤنگا (مزار کے گرد قنات تھی) کہ میری ڈاڑھی غیر مشروع ہے۔ والسّلام

مخلص: محمد اقبال

(۵)———(۱۸)

لاہور
۱۸۔ اکتوبر ۱۵ئہ

مخدومی التسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ مجھے اس بات سے تردّد ہے کہ آپ

کی علالت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت کامل عطا فرمائے۔ آپ کے خطوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے۔ اسی واسطے میں ان خطوط کو محفوظ رکھتا ہوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت لوگوں کو اُن سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ واعظ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینان (خاطر) روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ گو عملی حالت کے اعتبار سے بہت سُست عنصر واقع ہُوا ہوں۔ آپ دُعا فرمائیں۔

شیعوں کے متعلق آپ نے خوب لکھا۔ میرا مدت سے یہی خیال ہے۔ امامت کا مسئلہ سوسائٹی کو انتشار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ مذہبی حقائق کا معیار عقل ہو۔ میں نے کئی دفعہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صوفی بننے کی نسبت شیعہ ہو جانا ضروری ہے۔ اگر تقلید ضروری ہے تو اولادِ علی مرتضےٰ سے بڑھ کر اور کون امام ہوگا۔ البتہ امامت کے اصول میں ایک نقص ہے اور وہ یہ کہ عوام کو مجتہدین سے تعلق رہتا ہے اور قرآن سے تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ بالکل کوئی تعلق نہیں رہتا۔ مذہب بغیر قوت کے محض ایک فلسفہ ہے"! یہ نہایت صحیح مسئلہ ہے اور حقیقت میں مثنوی لکھنے کے لئے یہی خیال محرک ہوا۔ میں گزشتہ دس سال سے اسی پیچ و تاب میں ہوں۔

انیس احمد کو میں جانتا ہوں۔ انہوں نے ایک رسالہ تعلیم قرآن پر بھی لکھا تھا۔ اچھا رسالہ تھا۔ مگر بعض لوگ اُن پر بدظن ہیں۔ چند روز ہوئے لاہور میں بھی آئے تھے۔ مجھ سے نہیں ملے۔ معراج الدین کہاں سے دستیاب ہوتی ہے؟

قرآن کے متعلق عربی میں بعض نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر افسوس ہے کہ لاہور میں دستیاب نہیں ہوتیں۔ جرمنی کے علماء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر جنگ کی وجہ سے وہاں سے نہیں آسکتیں۔ انشاءاللہ بعد از جنگ بہت سی کتابیں علوم قرآنی کے متعلق وہاں سے منگواؤں گا۔ مدت ہوئی چند شعر فارسی کے لکھے تھے عرض کرتا ہوں:

خوش آنکہ رخت خرد ز شعلۂ مے سوخت
بمثال لالہ متاع ز آتشے اندوخت

تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلفام کن
بہار خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت

دلم تپید ز محرومیٔ فقیہِ حرم
کہ پیرِ میکدہ جامے بہ فتوائے نفروخت

مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت
چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید

بیار بادہ کہ گردوں بکامِ ما گردید
مثالِ غنچہ نواہا ز شاخسار دمید

خورم بہ یادِ تنک نوشیِ امامِ حرم
کہ جز بصحبتِ یارانِ رازداں نچشید

چناں ز نقش دوئی شستہ ام خاطرِ خویش
کہ وحشیِ تو ہم از آہوئے خیال رمید

نوازِ حوصلۂ دوستاں بلند تراست
غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید

غالباً یہ اشعار آپ کے لئے نئے نہ ہونگے۔ کیونکہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید کچھ عرصہ ہُوا۔ میں نے یہ اشعار آپ کی خدمت میں تحریر کئے تھے۔ خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے۔

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۱۹)————(۹۱)

لاہور

۲۵۔ اکتوبر ۱۵ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ دونوں اشعار لاجواب ہیں:

فطرت کی زباں جس کو سمجھو

سبحان اللہ! یہ طرز اور نکتہ آفرینی خاص آپ کے لئے ہے کوئی دوسرا یہاں مجالِ دم زدن نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شعر:

—— جو کچھ قسمت بھی ہوتی"

کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ اس کا لطف کم ہونے میں نہیں آتا۔
کبھی موقع ہوتا ہے تو دل کا دُکھڑا آپ کے پاس روتا ہوں۔

یہاں لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکرِ مناصب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرتِ اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ رہی جس میں آخر کار صوفیہ غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہر دلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو

کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ
ہے میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ صرف ایک بے چین اور مضطرب
جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے۔
کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا
ہو، مل جائے۔ جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔ زیادہ
کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا خادم

محمد اقبال

(۲۰)———(۷)

لاہور

۲۷۔ جنوری سنہ ۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔
انشاء اللہ اختلاف رائے کا اثر پرائیویٹ تعلقات پر نہ ہوگا
میں نے تو صرف ایک دو خط شائع کئے تھے اور وہ بھی اُس وقت

جب . . . . . . نے خود مضامین لکھے اور اپنے احباب سے لکھوائے
اُن مضامین کی مجھے کوئی شکایت نہیں شکوہ صرف اس امر کا تھا۔
کہ پرائیویٹ خطوں میں تو وہ مجھے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں کہ تمہاری
نیّت پر کوئی حملہ نہیں۔ لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں
میں نے خود . . . . . . سے اس امر کی شکایت کی تھی اور نہایت
صاف باطنی کے ساتھ لکھا تھا کہ آپ میرے ساتھ ناانصافی نہ کریں
علمی بحث ہونی چاہئے، حریف کو بدنام کرنا مقصود نہ ہونا چاہیئے۔
بلکہ اس کو قائل کرنا اور راہ راست پر لانا۔

بہرحال وہ معذور ہیں اور صوفی ضرور ہیں مگر تصوّف کی تاریخ
وادبیات و علوم القرآن سے مطلق واقفیت نہیں رکھتے۔ اس واسطے
مجھے ان کے مضامین کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے جو کچھ تصوّف پر لکھا ہے اس کو شائع
کر دینے کا قصد ہے۔ اس کے ساتھ تصوّف کی تاریخ پر ایک مفصّل
دیباچہ لکھوں گا۔ انشاء اللہ اس کا مصالحہ جمع کر لیا ہے۔ منصور حلاج
کا رسالہ "کتاب الطواسین" فرانس میں مع نہایت مفید حواشی کے

شائع ہو گیا ہے۔ دیباچے میں اس کتاب کو استعمال کرونگا۔ فرانسیسی مستشرق نے نہایت عمدہ حواشی دئے ہیں۔ رہبانیت کے متعلق جو آیہ شریفہ آپ کے خیال میں ہو ضرور لکھئے۔

وائے بر ہستی اگر مقصود ہستی ہو چکا

نہایت خوب ہے۔ سیدھے آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہے۔ عبدالماجد صاحب نے جو شعر آپ کا پسند کیا نہایت خوب ہے۔ میں نے بھی اسی مضمون کا ایک شعر لکھا تھا:

گل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں

خادم: محمد اقبال

(۲۱)――――(۸)

لاہور

۴۔ فروری ۱۶ء

مخدوم و مکرم حضرت مولنا! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ میں تصوف کی تاریخ پر ایک مسوطہ

مضمون لکھ رہا ہوں جو ممکن ہے ایک کتاب بن جائے۔ چونکہ خواجہ
. . . . . نے عام طور پر اخباروں میں میری نسبت یہ مشہور کر دیا
ہے کہ میں صوفیائے کرام سے بدظن ہوں۔ اس واسطے مجھے اپنی
پوزیشن صاف اور واضح کرنی ضروری ہے۔ ورنہ اس طویل مضمون
کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

چونکہ میں نے خواجہ حافظ پر اعتراض کیا ہے۔ اس واسطے اُن
کا خیال ہے، میں تحریک تصوف کو دُنیا سے مٹانا چاہتا ہوں۔
'سر اسرار خودی' کے عنوان سے انہوں نے ایک مضمون خطیب میں
لکھا ہے جو آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ جو پانچ وجوہ انہوں نے مثنوی
سے اختلاف کرنے کے لکھے ہیں۔ انہیں ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے
تاریخ تصوف سے فارغ ہو لوں تو تقویۃ الایمان کی طرف توجہ کروں
فی الحال جو فرصت ملتی ہے وہ اسی مضمون کی نذر ہو جاتی ہے۔
افسوس کہ ضروری کتب لاہور کے کتب خانوں میں نہیں ملتیں۔
جہاں تک ہو سکا میں نے تلاش کی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ
آپ اس مضمون کو پڑھ کر خوش ہونگے۔ منصور حلاج کا رسالہ

کتاب الطواسین تمام فرانس میں شائع ہو گیا ہے۔ وہ بھی منگوایا ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ فی الحال مثنوی کا دوسرا حصہ بھی ملتوی ہے۔ مگر اس میں عالمگیر اورنگ زیبؒ کے متعلق جو اشعار لکھے ہیں اُن میں سے ایک عرض کرتا ہوں:

درمیانِ کارزارِ کُفر و دیں
ترکشِ مارا خدنگِ آخریں

آپ کا قطعہ "حضرت اقبال اور خواجہ حسن" بہت خوب رہا۔ صرف ایک بات ہے کہ خواجہ صاحب کو تو کبھی رقص او رسکر نصیب ہوتا ہو گا۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔ والسلام

آپ کا خادم: محمد اقبال

(۹)————(۲۲)

لاہور

۱۱۔جون ۱۸ء

مخدومی! تسلیمات

کل ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ آج اور کل دو اور خط

آپ کے موصول ہوئے۔ مَیں نے خواجہ حافظؒ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ اُن کے دیوان سے میکشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظؒ پر بالکل اَور نوعیت کا ہے۔ اسرارِ خودی میں جو کچھ لکھا گیا۔ وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی۔ جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر ہے۔ اپنے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہُوا اس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے۔ خواجہ حافظؒ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سروکار نہ تھا نہ اُن کی شخصیت سے۔ نہ اُن اشعار میں "مے" سے مراد وہ "مے" ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں۔ بلکہ اس سے وہ حالتِ سُکر (Nacotic) مراد ہے جو حافظؒ کے کلام سے بحیثیتِ مجموعی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ حافظؒ ولی اور عارف تصوّر کئے گئے ہیں اس واسطے اُن کی شاعرانہ حیثیت عوام نے بالکل ہی نظر انداز کر دی ہے اور میرے ریمارک تصوّف اور ولایت پر حملہ کرنے کے مرادف سمجھے گئے۔

. . . . نے ایسا سمجھ کر اخباروں میں لکھا۔ اس واسطے مجھے مجبوراً تصوّف پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا۔

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کون تصوف میرے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ نئی بات نہیں۔ حضرت علاء الدولہ سمنانی رح لکھ چکے ہیں حضرت جنید بغدادی رح لکھ چکے ہیں۔ میں نے تو محی الدین اور منصور حلاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانی اور جنید نے ان دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں ہاں ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔ اگر اسی کا نام مادیت ہے تو قسم بخدائے لایزال، مجھ سے بڑھ کر مادہ پرست دنیا میں کوئی نہ ہوگا معاف کیجئے گا، مجھے آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوا ہے (ممکن ہے غلطی پر ہوں) کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کے صرف وہی اشعار دیکھے ہیں جو حافظؔ کے متعلق لکھے گئے تھے۔ باقی اشعار پر نظر شاید نہیں فرمائی۔ کاش آپ کو ان کے پڑھنے کی فرصت مل جاتی کہ آپ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محفوظ رہتے۔

عجمی تصوف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اسلامی تصوف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔

میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کا لٹریچر تمام ممالک اسلامیہ میں قابل اصلاح ہے (Pessimistic Literature) کبھی زندہ نہیں رہ سکا قوم کی زندگی کے لئے اس کا اور اس کے لٹریچر کا Optimistic ہونا ضروری ہے۔ اسرار خودی میں حافظ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو خارج کر کے اور اشعار لکھے ہیں۔ جن کا عنوان یہ ہے:

"در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ"

ان اشعار کو پڑھ کر مجھے یقین ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائینگی اور میرا اصل مطلب واضح ہو جائیگا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

پنڈت کشوری لعل سے بہت عرصہ ہوا ملاقات ہوئی تھی معلوم نہیں وہ آجکل کہاں ہیں۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہوگا مگر خدارا آج کل صرف کعبہ ہی بتائیے۔ ورنہ مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں (جیسا کہ بعض لوگ نادانی سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کی پوزیشن سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے) مگر اس کا دشمن یورپ کا Territorial Nationalism

ہے جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسایا، مصر میں مصر مصریوں کے لئے کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو Pan Indian Democracy کا بے معنی خواب دکھایا۔ آپ تو گروہ بندی پر بڑا زور دیتے ہیں بلکہ ایک جگہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے "مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط" گو مجھے اس مصرع سے اتفاق نہیں تاہم مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مذہب کا مقصد صرف گروہ بندی ہے اور کچھ نہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا مصرع سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کے قلم وزبان سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔ کعبہ و کاشی کے سوا کوئی اور مقام بھی ہے۔ آپ کے نزدیک تو کعبہ کے سوا کوئی اور مقام نہ ہونا چاہئے یہی میرا بھی مذہب ہے

خیریت مزاج سے آگاہ کیجئے۔

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(۲۳)———(۱۰)

لاہور

۲۰۔جولائی ۱۸ء

مخدومی! نوازش نامہ کل ملا تھا۔ اس سے پیشتر ایک پوسٹ کارڈ بھی ملا تھا۔ آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔یہ بات درست نہیں بلکہ میری بدنصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرار خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔میں نے کسی گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لئے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجئے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ ہوتا۔

آں چناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو!

اور اسرار خودی میں کوئی تناقض نہیں۔

یہ بات تو میں نے پہلے حصّہ میں اس سے بھی زیادہ واضح طور پر بیان کی ہے:

اندکے اندر سرائے دل نشیں

ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزیں

محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزّائے ہوس را سر شکن
ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بند زن و اولاد شد

(اسرارِ خودی)

میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بیخودی سے پیدا ہوتی ہے یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔

بندۂ حق پیش مولا لاستے
پیش باطل از نعم برجاستے

دوسرے حصّے میں عالمگیر کی ایک حکایت ہے۔ اس میں یہ شعر ہے:

ایں چنیں دل خود نما و خود شکن
دارد اندر سینۂ مومن وطن

مگر ایک اور بیخودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو Lyric Poetry کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔
(۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکام باری تعالیٰ میں۔

پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوّف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتہ عجمی تصوّف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظؒ پر جو اشعار میں نے

لکھے تھے اُن کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیاتِ قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں زیرِ نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیاتِ دُنیا بیشک لہو لعب ہے۔ میں نے بھی پہلے حصہ میں (اسرارِ خودی) یہی لکھا ہے۔

در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

پھر دوسرے حصّے میں ہے جس میں حضرت عمرؓ کا ایک قول منظوم کیا ہے:

راہ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی، آزاد میر
سبحۂ اَقَلَّ مِنَ الدُّنْیَا شمار
از تَعَش حُرًّا شوی سرمایہ دار

غرض یہ ہے کہ سلطنت ہو، امارت ہو، کچھ ہو، بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع ہیں اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے جو شخص ان کو بجائے خود مقصد جانتا ہے وہ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا

میں داخل ہے۔ کوئی فعل مسلمان کا ایسا نہ ہونا چاہیے جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ اور ہو۔ مسلمان کی تعریف پہلے حصے میں یوں کی گئی ہے۔ (اسرار خودی) :

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبع مسلم از محبت قاہر است
تابع حق دیدنش، نا دیدنش
خوردنش، نوشیدنش، پوشیدنش، خوابیدنش
در خیالش مرضیٔ حق گم شود
این سخن کے باور مردم شود

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ مجھ پر عنایت فرمائیے، عنایت کیا رحم کیجئے اور اسرارِ خودی کو ایک دفعہ پڑھ جائیے۔ جس طرح منصور کو شبلی کے پتھر سے زخم آیا اور اُس کی تکلیف سے اُس نے آہ و فریاد کی اسی طرح مجھ کو آپ کا اعتراض تکلیف دیتا ہے۔ والسلام

مخلص: محمد اقبال

(۲۴)――――(۱۱)

لاہور

۲۵۔جولائی ۱۸ئہ

مخدومی! السلام علیکم
والا نامہ کل ملا تھا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ گرمی کی یہاں بھی شدّت ہے۔ برسات اب کے خالی جاتی معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا اور میرا قصد بھی فاتحہ جناب امیر میں شریک ہونے کا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ میری بیوی کچھ عرصہ سے بیمار ہے اور ابھی تک رُو بصحت کامل طور پر نہیں ہوئیں۔ خواجہ صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا تھا کہ وہ اچھی ہو گئیں تو حاضر ہونگا۔ اگر اب نہ جا سکا تو تعطیلوں میں انشاءاللہ دہلی جانے کا قصد ہے کہ ایک مدّت سے آستانہ حضرت محبوب الٰہی پر حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ ان گرما کی تعطیلوں میں اللہ اس ارادے کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خواجہ حسن نظامی سے مجھے دلی محبّت ہے۔ جس پر اختلافِ خیال قطعاً کوئی اثر

نہیں کر سکتا۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اختلاف بھی کم از کم میرے علم اور سمجھ کے مطابق کوئی ایسا اختلاف نہیں ۔ وہ کچھ عرصہ ہوا یہاں تشریف لائے تھے میں نے اصرار کیا کہ وہ ایک روز قیام فرمائیں لیکن وہ ٹھہر نہ سکتے تھے۔ زبانی باتیں ہوتیں تو بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جاتیں۔ لیکن جو کچھ بھی ہو، اس سے اُس محبت میں کمی واقع نہیں ہو سکتی جو مجھ کو اُن سے ہے۔ وہ ایک نہایت محبوب آدمی ہیں ان کو جان کر اُن سے محبت نہ رکھنا ممکن نہیں۔

ع

غم بڑا مدرک حقائق ہے

اس مصرع کی پہلے بھی داد دے چکا ہوں .... [1] ....
اس سادگی اور بے تکلفی سے منظوم ہوتے ہیں کہ شکسپیر اور مولنا روم یاد آجاتے ہیں۔ آپ کے اس شعر "جہاں ہستی ہوئی محدود الخ" پر ریویو کرتے ہوئے میں نے کسی انگریزی فلسفے کا حوالہ دے کر کہا تھا کہ خیالات و اذکار بھی آپس میں برسر پیکار رہتے ہیں۔ کل مثنوی مولنا روم دیکھ رہا تھا کہ یہ شعر نظر پڑا :

---

[1] الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔

ہر خیالے را خیالے مے خورد
فکر ہم بر فکر دیگر مے چرد

سبحان اللہ! ایک خاص باب میں انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ بجز حق تعالیٰ کے سوا ہر ہستی آکل و ماکول ہے اور اس ضمن میں شوپن ہار (فلاسفر جرمنی) کے فلسفے کو اس خوبی سے نظم کر گئے ہیں کہ خود شوپن ہار کی روح پھڑک گئی ہوگی۔

کل شام ایک محفل میں آپ کا شعر :

دل اس کے ساتھ چلا جس کے ساتھ ہے [1] اثر

پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اگرچہ یہ شعر مشاعرے میں پڑھا نہیں گیا تاہم تمام شہر میں مشہور ہے۔۔

ہیں غالب راہ [1] کر ہوا کے ساتھ

پر آج گفتگو رہیگی۔ یہ شعر بھی حقائق سے خالی نہیں۔ ایک فارسی رباعی ہوگئی تھی۔ عرض کرتا ہوں

گل گفت کہ عیش نو بہارے خوشتر
یک صبح چمن ز روزگارے خوشتر

---

[1] الفاظ باوجود کوشش پڑھے نہیں جا سکے۔

زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
مُردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

زیادہ التماس دعا۔

مخلص: محمد اقبال

(۲۵) ——— (۱۴)

سیالکوٹ
۱۴۔ اگست ۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم۔ والا نامہ لاہور سے ہوتا ہوا ملا۔
الحمد للہ کہ جناب کا مزاج بخیر ہے۔ واقعی آپ نے سچ فرمایا کہ
ہزار کتب خانہ ایک طرف اور باپ کی نگاہِ شفقت ایک طرف۔
اسی واسطے تو جب کبھی موقع ملتا ہے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا
ہوں اور پہاڑ پر جانے کی بجائے اُن کی گرمیِ صحبت سے مستفید ہوتا
ہوں۔

پرسوں شام کھانا کھا رہے تھے اور کسی عزیز کا ذکر کر رہے تھے
جس کا حال ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ دورانِ گفتگو میں کہنے لگے

"معلوم نہیں بندہ اپنے رب سے کب کا بچھڑا ہوا ہے"۔ اس خیال سے اس قدر متاثر ہوئے کہ قریباً بیہوش ہو گئے اور رات دس گیارہ بجے تک یہی کیفیت رہی۔ یہ خاموش لیکچر ہیں جو پیرانِ مشرق سے ہی مل سکتے ہیں۔ یورپ کی درسگاہوں میں ان کا نشان نہیں۔ اگست کے آخر تک انشاءاللہ یہیں قیام رہیگا۔

.... نے اگر کچھ لکھا ہے تو اس کا بہترین جواب خاموشی ہے۔ تردید کی کوئی ضرورت نہیں۔ ... پرچہ قدیم اسلامی شعار کو بنگاہِ حقارت دیکھتا ہے۔ گو ابھی صاف صاف لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

میں نے سنا ہے سید عبدالرؤف لاہور تشریف لائے تھے اور چیف جج صاحب سے بھی ملے تھے۔ گورنمنٹ میں نام ضرور پیش ہے اور بعض حکام مائل بھی ہیں مگر مجھے باوجود ان سب باتوں کے اُمید نہیں۔ اسی واسطے اس موقع پر میں کسی سے نہیں ملا اور میرے بعض احباب مجھ سے ناراض ہیں کہ شملہ جانے کی جگہ سیالکوٹ آ گیا ہوں مگر میں ان احباب کو معذور جانتا ہوں کہ وہ میرے تبلیغی

کیفیات سے آگاہ نہیں ہیں۔ بہرحال جو کچھ علمِ الٰہی میں ہے ہو جائیگا اور وہی انسب و اولٰی ہوگا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ خیریت سے آگاہ کیجیے۔ کل شام سے طبیعت نہایت مشتعل ہے۔ وکیل اخبار لکھتا ہے کہ کسی انگریزی اخبار نے مدینہ منورہ کی بہت توہین کی ہے۔ کمزوروں کے پاس سوائے بددعا کے اور کیا ہے۔ والدِ مکرم سلام شوق عرض کرتے ہیں۔

مخلص: محمد اقبال

(۲۶) ——— ——— (۱۳)

لاہور
۱۳ ستمبر ۱۸ء

مخدومی! السّلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ابھی تو مسلمانوں کو اور اُن کے لٹریچر کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالٰی آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔

میں ۹ ستمبر کو لاہور واپس آگیا تھا مگر ترشی کے زیادہ استعمال سے دانت میں سخت درد ہو گیا۔ جس نے کئی روز تک بیقرار رکھا۔ اب خدا کے فضل سے بالکل اچھا ہوں۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی) کے اگست کے نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک ریویو دونوں مثنویوں پر لکھا ہے۔ نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اگر اس ریویو کی کوئی کاپی مل گئی تو ارسال خدمت کروں گا۔ آج زمانہ میں ایک ریویو نظر سے گزرا۔ زمانے کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے۔ جن کو کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا بالخصوص اس شعر نے

جب علم ہی عاشق دُنیا ہُوا ، الخ

بہت اثر دل پر کیا۔ مگر اس شعر کو

یہ صلح کل فقیری فقر یا شاہی لطیفہ ہے

آپ کے اشعار میں دیکھ کر بہت تعجب ہُوا۔ یہ کس کا شعر ہے؟ شاہی لطیفہ کی داد دینا میرے قلم کے امکان سے باہر ہے

ایک نہایت مخلص نوجوان یہاں لاہور میں ہے، تاجر کتب ہے

اور مجھ سے کہتا ہے کہ شکوہ اور جواب شکوہ کو پھر شائع کرنا چاہیئے مگر مولنا اکبر دیباچہ لکھیں۔ میں نے آپ کی طرف سے ہر چند عذر کیا مگر وہ مصر ہے۔ آخر میں نے اُس سے وعدہ کیا کہ مولنا کی خدمت میں عرض کرونگا۔ ایسی فرمائش کرتے ہوئے حجاب آتا ہے کہ مجھے آپ کے ضعف و ناتوانی کا حال معلوم ہے۔ تاہم اگر کسی روز طبیعت شگفتہ ہو اور آلام و افکار کا احساس شگفتگی طبع سے کم ہوگیا ہو تو دس پندرہ سطریں اس کی خاطر لکھ ڈالئے۔ یہ لڑکا آپ کا غائبانہ مرید ہے۔

کلکتہ کے فساد کے حالات اخبار میں پڑھے تھے آج مزید حالات پڑھے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر فضل کرے اور اُنکے لیڈروں کو آنکھیں عطا فرمائے کہ وہ اس زمانے کے میلانِ طبیعت کو دیکھیں۔ مجھے بھی کلکتہ سے بلاوا آیا تھا اور میں جانے کو قریباً تیار بھی تھا۔ مگر جب مطبوعہ خط کا مضمون والدِ مکرم کو سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ حکام غالباً یہ جلسہ بند کر دینگے۔ بعد میں ایسا ہی ہوا

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل ۔۔۔ بے دستِ پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے

مخلص: محمد اقبال

(۲۷) ---------------- (۱۴)

لاہور

۲۸ اکتوبر ۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ دو تین روز ہوئے موصول ہوا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لاہور میں وبائے انفلوئنزا کی بہت شدت ہے۔ یہاں تک کہ گورکن میسر نہیں آتے۔ دوا سے بھی اس مرض کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا علاج کیا ہے۔ دوسرا دوا موجود نہیں اور ڈاکٹر خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے۔ پنجاب میں اس وقت اس کا حملہ نہایت شدید ہے لاہور میں قریباً ڈھائی سو اموات روزانہ ہیں اور ابھی کمی کے کوئی آثار نہیں۔ امرتسر میں بھی یہی کیفیت ہے۔ امید کہ الٰہ آباد میں خیریت ہوگی۔ مسلمانوں پر خصوصیت سے زیادہ نظر عنایت ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔

زمانے میں ریویو دیکھا تھا۔ بہت اچھا ریویو تھا مگر آپ کی تشفی (؟)

پر ریویو لکھنے کا حق آج تک کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکا۔ زمانے نے جو اشعار انتخاب کئے، وہ دو چار روز ہوئے بار روم میں مزے سے لے کر پڑھے گئے۔ وقت کی مصلحت نہیں۔ ورنہ آپ کے اشعار پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا اور زندگی رہی تو انشاء اللہ کچھ ضرور لکھوں گا۔

مطلع آپ کا لاجواب ہے

کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

سبحان اللہ والیہ المصیر

معارف میں کسی ہندو شاعر کا شعر نظر سے گزرا

بسکہ از شرم تو در پردہ از رنگ گلشن است

رشتۂ نظارہ بند در ہوا گلدستہ را

اور کچھ عرصہ ہوا اخبار الخلیل میں کسی نے ایک نہایت عمدہ شعر لکھا تھا

شب چو اندازہ ہم آغوشی او یاد کنم

خویش را تنگ بہ بر گیرم و فریاد کنم

للہ در من قال

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۵)————(۲۸)

لاہور

۲۸- نومبر ۱۸ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا اور اس سے پیشتر بھی ایک خط ملا تھا۔ جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی جس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ آج کل معمول سے زیادہ مصروفیت ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر فلسفہ ڈاکٹر ہیگ۔ چیچک کی بیماری سے دفعتہً انتقال کر گئے اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے اصرار پر دو ماہ کے لئے کالج کے ایم اے کی جماعت مجھ کو لینی پڑی۔ امید ہے دو ماہ تک نیا پروفیسر مل جائے گا۔ یہ لڑکے شام کو ہر روز میرے مکان پر آجاتے ہیں۔ دن میں جو تھوڑی بہت فرصت ملتی ہے اس میں ان کے لیکچر

کے لئے کتب دیکھتا ہوں۔ لیکچر کیا ہیں، انسان کی ذہنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے جسے عرفِ عام میں تاریخ فلسفہ کہتے ہیں

ابھی کل شام ہی میں ان کو آپ کا یہ شعر سُنا رہا تھا

میں طاقتِ ذہن غیر محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی
کہ ہوش مجھ کو ملا ہے تُل کر نظر بھی مجھ کو ملی ہے نپ کے

سبحان اللہ! کیا خوب کہا ہے۔ جزاک اللہ!

بہرحال ان لیکچروں کے بہانے سے ان لڑکوں کے کان میں کوئی نہ کوئی مذہبی نکتہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔

جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

میں آپ کا مقصود خوب سمجھتا ہوں۔ سیدھے سادے الفاظ میں حقائق بیان کر دینا آپ کا خاص حصہ ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آپ کی رباعی،
اور شکریہ ہے کہ موت آجاتی ہے
بہت عرصہ سے میں نے نوٹ کر رکھی ہے۔

بہت عرصہ سے کوئی شعر نہیں لکھا مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دو شعر یاد آئے ہیں جو دو یا تین ماہ ہوئے لکھے تھے عرض کرتا ہوں :

در جہاں مانندِ جُوئے کوہسار
از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیل بے زنہار خیز
فارغ از پست و بلند راہ شو

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ بال بچے سب یہیں ہیں اور الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ آج ۲۸- نومبر ہے۔ فتح کی خوشی میں بہت بڑا جلسہ ہونے والا ہے۔ شاید شام کو میں بھی اس جلسے میں جاؤں۔ والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(۲۹) ——— (۱۶)

لاہور

۲۰۔اپریل ۱۹ء

مخدومی! السلام علیکم

والانامہ مل گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور خط آپ کا ملا۔ اس وقت تک خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ امید کہ آنجناب بخیر و عافیت ہونگے۔ لاہور کے حالات آپ نے اخباروں میں دیکھ لئے ہونگے۔ گاندھی صاحب کا خاموش مقابلہ یہاں تک رنگ لایا ہے کہ حکام لاہور اور پنجاب کے دیگر مقامات میں مارشل لا (آئین عسکری) کے اجراء پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ عجب زمانہ آ رہا ہے۔

زچہا گذشتہ باشی بچہار سیدہ باشی

ٹھیک ہے۔ جو شخص

زجہاں گذشتہ باشی بکمال رسیدہ باشی

پڑھتا ہے وہ زبان اور شعر دونوں کے ذوق سے معرا ہے۔

آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ مگر یہ زمانہ گھر سے باہر نکلنے

کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کے لوگوں کی حالت پر رحم کرے۔

مومن کو چاہیئے کہ خدا ہی کا ہو رہے

چند روز ہوئے ایک مصرع ذہن میں آیا تھا۔ دوسرا مصرع نہیں ہو سکا

ایں سر خلیل است با آذر نتواں گفت

غور فرمائیے۔ کچھ ذہن میں آئے تو مطلع کیجئے۔ خواجہ صاحب کا خط بھی آج آیا ہے۔ وہ خیریت سے ہیں۔

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

نوٹ۔ اس لفافہ پہ Passed By Censor کی سلپ لگی ہوئی ہے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام

(۳۰) ———— (۱)

لاہور

۲۷ ستمبر ۳۶ء

مخدومی جناب مولانا۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کا خط مع تجویز ملا تھا۔ مگر میں علالت کے باعث جواب جلد نہ لکھ سکا۔ پہلے سے اچھا ہوں مگر افسوس کہ ابھی سفر کے لائق نہیں خصوصاً جب کہ سفر ۱۲ گھنٹے سے زیادہ ہو۔ رات بھر ریل میں سفر کرنے سے مجھے قبض ہو جاتی ہے جو سخت تکلیف دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی کئی دن رہتا ہے۔ بہرحال اگر اُردو کانفرنس کی تاریخوں تک میں سفر کے قابل ہو گیا تو انشاء اللہ ضرور حاضر ہونگا۔ لیکن اگر حاضر نہ بھی ہو سکا تو یقین جانیئے کہ اس اہم معاملے میں کلیتہً آپ کے ساتھ ہوں۔ اگرچہ میں اُردو زبان کی بحیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی

عصبیت یا دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آپ کی تجویز میں اختلاف کی کوئی زیادہ گنجائش نہیں۔ میرے خیال میں صرف دو باتیں زیر بحث آئیں گی۔

اوّل یہ کہ فنڈ کہاں سے آئیگا۔ عام مسلمانوں کی حالت اقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے۔ امراء توجہ کریں تو کام بن سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ اکثر مسلمان امراء مقروض ہیں۔

دوم یہ کہ صدر انجمن کا مستقر کہاں ہو؟ میرے خیال میں اس کا مستقر لاہور ہونا چاہیئے اور اس کے لئے ایک سے زیادہ وجوہ ہیں:

(۱) مسلمانوں کو اپنے تحفّظ کے لیئے جو لڑائیاں آئندہ لڑنا پڑینگی ان کا میدان پنجاب ہوگا۔ پنجابیوں کو اس میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں گی۔ کیونکہ اسلامی زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی مناسب تربیت نہیں کی گئی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آئندہ رزمگاہ یہی سرزمین معلوم ہوتی ہے۔

(۲) آپ انجمن اردو سے متعلق ایک پبلشنگ ہوس قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی کامیابی بھی لاہور ہی میں ہو سکتی ہے کیونکہ ایک

بڑا پبلشنگ سنٹر ہے اور بہت سا طباعت کا کام مسلمانوں کے ہاتھ
میں ہے۔ انگریزی پبلشنگ کی طرف بھی یہاں کے مسلمان توجہ کر
رہے ہیں۔

(۳) یہاں کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے۔
سادہ دل صحرائیوں کی طرح ان میں ہر قسم کی باتیں سننے اور اُن سے
متاثر ہو کر ان پر عمل کرنے کی صلاحیت اَور مقامات سے بڑھ کر
ہے۔ ایک معمولی جلسے کے لئے آٹھ دس ہزار مسلمانوں کا جمع ہو جانا
کوئی بڑی بات نہیں۔ بلکہ بیس بیس ہزار کا مجمع بھی غیر معمولی نہیں
یہ بات پنجاب کے ہندوؤں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

باقی رہا آپ کے خط کا آخری فقرہ۔ سو میں اس کے لئے آپ کا
بہت شکر گزار ہوں۔ انسان جب تک زندہ ہے افکار و تردّدات
لازمۂ حیات ہیں۔ ع

مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

معنوی اعتبار سے تو مدّت ہوئی میں نے اسے آپ ہی چھوڑ
دیا تھا۔ اب ظاہری اعتبار سے بھی چھوڑتا ہوں۔ کیوں کہ آپ ایک

صاحبِ عزم آدمی ہیں اور یہ بات مجھے مدّت سے معلوم ہے۔
زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

والسّلام۔ مخلص
محمد اقبال

(۲)——————(۲۱)

لاہور
۲۱۔ اکتوبر ۳۶ء

مخدومی مولانا! میں تو علی گڑھ حاضر ہونے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا۔ مگر افسوس کہ کمر کے درد سے ابھی تک افاقہ نہیں ہوا۔ اس بنا پر بقیّہ علاج کے لئے بھوپال بھی نہیں جا سکا۔ علیٰ ہذا القیاس فلسطین کانفرنس کی صدارت سے بھی اسی بنا پر انکار کرنے پر مجبور ہوا۔ حالانکہ مسئلۂ فلسطین سے مجھے بےحد دلچسپی ہے۔

آپ کی تحریک سے مسلمانوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ بہت سے اعتبار سے یہ تحریک اس تحریک سے کسی طرح کم نہیں جس کی ابتدا سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۳۲)————(۳)

لاہور

۲۸۔اپریل ۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب!

آپ کا والا نامہ مع روئداد اور اغراض و مقاصد انجمن ملا۔ مجھ کو ان اغراض و مقاصد سے پورا اتفاق ہے۔ نیز انجمن کی ممبری کرانا بھی منظور ہے۔

اُردو کی اشاعت اور ترقی کے لئے آپ کا دلی میں نقل مکان کرنا بہت ضروری ہے۔ معلوم نہیں آپ کے حالات اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ کاش میں اپنی زندگی کے باقی دن آپ کے ساتھ رہ کر اُردو کی خدمت کر سکتا۔ لیکن افسوس! ایک تو علالت پیچھا نہیں چھوڑتی دوسرے بچّوں کی خبر گیری اور اُن کی تعلیم و تربیت کے فکر اکثر دامنگیر

ہیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۴)――――(۴)

لاہور

۲۴۔ اگست ۳۷ئ

مخدومی جناب مولٰنا!

مسعود مرحوم کا اخلاص، اس کی دردمندی اور اس کا اخلاق جس میں اس کے باپ اور دادا دونوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ اب ہندوستان میں یہ باتیں کہاں نظر آئیں گی۔

جس روز مرحوم کی ناگہانی موت کی خبر لاہور پہنچی ہے میں نے اسی روز چند اشعار لکھے تھے جو ارسال خدمت کرتا ہوں مگر یہ اشعار مرثیہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ مرثیہ لکھنا مجھے آتا بھی نہیں، میرے لئے مرحوم کا غم محض ایک محرک ہے۔ اس یقین کی آرزو اور تلاش کا کہ مرحوم باوجود ہم سے جدا ہو جانے کے در اصل زندہ ہے۔ الغرض

سانا ایک فطرتی امر ہے مگر میرا غم اسی یقین سے ہلکا ہوتا ہے۔ گذشتہ بالیس سال سے میرے قلب کی یہی کیفیت چلی آتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مرحوم کے متعلق میں آپ کو کچھ دنوں بعد ایک اور خط لکھونگا۔ فی الحال اس خط کی رسید سے مطلع کر دیجیے تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ اشعار مرسلہ آپ تک پہنچ گئے ہیں۔ سر اکبر حیدری سے ملاقات ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے۔ اخبارات میں دیکھا ہے کہ وہ ولایت سے واپس آگئے ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص
محمد اقبال

مجھے ضعف بصارت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ خط ایک دوست سے لکھوایا ہے۔ نظم کان سے پیرا بند الٹا لکھا گیا ہے۔ معاف فرمائیے۔

(۳۴) ——— (۵)

لاہور
۹ ستمبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولوی صاحب!

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کیلئے بہت شکر گزار ہوں۔ اردو زبان کے تحفظ کے لئے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں۔ ان کے لئے مسلمانوں کی آئندہ نسلیں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔ مگر آپ سے زیادہ اس بات کو کون سمجھ سکتا ہے کہ زبان کے بارے میں سرکاری امداد پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ زبانیں اپنی اندرونی قوتوں سے نشو و نما پاتی ہیں اور نئے نئے خیالات و جذبات کے ادا کر سکنے پر ان کے بقا کا انحصار ہے۔ آپ کی کوششوں کا مرکز وہی پروگرام ہونا چاہئے جو آپ علی گڑھ میں وضع کر چکے ہیں۔ کبھی کبھی پنجاب کا دورہ بھی لازم ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص: محمد اقبال

(۳۵)————(۶)

۷۔ اکتوبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولٰنا!

سلام مسنون!

میں نے سنا ہے، لیگ کی طرف سے آپ کو بھی لکھنؤ آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ براہِ عنایت اس سفر کی زحمت ضرور گوارا فرمائیے۔ اُردو کے متعلق اگر لیگ کے کھلے سیشن میں کوئی مناسب قرار داد منظور ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اثر بہت اچھا ہوگا

تھوڑا عرصہ ہُوا، میں نے آپ کی خدمت میں ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا۔ رسید تو اس کی واپس آگئی تھی لیکن خط کے جواب کا ابھی تک منتظر ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسّلام

مخلص

محمد اقبال

(۳۶)———(۷)

لاہور

۲۳- دسمبر ۳۷ء

مخدومی جناب مولٰنا ! مزاج شریف

السّلام علیکم۔ الہ آباد یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری آپ کو مبارک ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی نے آپ کی قدر شناسی کر کے اہلِ ہنر کی نگاہوں میں خود کو مستحقِ مبارکباد کر لیا ہے۔ اس واسطے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے میں الہ آباد یونیورسٹی کو ان کی نکتہ شناسی پر مبارک باد دیتا ہوں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

محمد جمیل کے نام

(۴۷)——(۱)

(انگریزی)

لاہور

۱۸- فروری ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

ابھی ابھی آپ کا نوازش نامہ اور تصویری کارڈ موصول ہوئے۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمایئے۔ آپ تک یہ اطلاع پہنچا نا میرے لئے باعث مسرت ہے کہ میں آزمائش میں ثابت قدم نکلا اور اب باوجود مالی مشکلات کے ایران و ترکی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس سفر کے لئے جو میں محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و بلندی کے لئے اختیار کر رہا ہوں، زادِ راہ میسّر آجائے گا۔ مجھے اس اطلاع سے بیحد مسرّت ہوئی کہ میرا سفر میسور مسلم نوجوانوں میں تاریخی

تحقیق کے شوق و ذوق کا باعث ہوا سیٹھ آبا صاحب نے مجھے سلطان ٹیپو رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ سے متعلق ایک قلمی مسودہ جو ایک شخص کے پاس ہے جو ہمیں سلطان کے مقبرہ پر ملا تھا ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مجھے امید ہے وہ اس کوشش میں کامیاب ہونگے۔ اُن تک میرا اسلام شوق پہنچا دیجئے اور ان سے کہئے کہ اسلام کی خدمت کے لئے ان کے ذوق و جوش نے میرے دل پر ایک ایسا اثر پیدا کیا ہے جو کبھی محو نہ ہوگا۔ میں دست بدعا ہوں کہ انہیں بنگلور کے حاجی سر اسماعیل کی سی عظمت و منزلت حاصل ہو۔

چوہدری محمد حسین صاحب بخیریت ہیں اور تصاویر کی موجودہ قسط اور آئندہ اقساط ان کی دلچسپی اور مسرت کا باعث ہونگی۔ چوہدری صاحب کو بھی سلطان مرحوم کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور آج کل وہ سلطان پر ایک مختصر آرٹیکل مرتب کر رہے ہیں۔ وہ سفر نامہ مدراس بھی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس میں تمام تصاویر جو آپ ارسال فرماسکیں کام آئیں گی۔ میں آپ کے دوست عمر ہاسٹس کے لیکچروں کی اشاعت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ اُن

میں کوئی خاص نئی بات تو ہے نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں شاید عیسائی قارئین پر اُن کا کچھ اثر ہو۔

اسلام کے ثقافتی اور فلسفیانہ پہلو پر ابھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ جرمن زبان میں چند کتابیں ہیں۔ جن کا حال ہی میں کلکتہ کے صلاح الدین خدا بخش صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن وہ کتابیں بھی کچھ یونہی سی ہیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۸)———(۲)

(انگریزی)

لاہور

۲۱۔ مئی ۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

عید کارڈ ملا شکریہ۔ آپ کی خیریت کی اطلاع باعث مسرت ہوئی۔ میں بھی الحمدللہ بخیریت ہوں۔ میں ترکی اور مصر کے سفر کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ جیسا آپ جانتے ہیں ' زر ہی طلب والا معاملہ

ہے اور ہندوستان کے مسلمان اُمرا اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت واہمیت سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ دَور نہایت نازک ہے۔ اگر مناسب ذرائع اور طریق اختیار کئے جائیں تو اسلام اقوامِ عالم کو اب بھی مسخر کر سکتا ہے۔ مجھ سے جو خدمت ممکن ہوئی بجا لاؤں گا۔ مسٹر حمید حسن اور حاجی سیٹھ جمال محمد صاحب کی خدمت میں میرا اسلام شوق عرض کر دیجئے۔

مخلص

محمد اقبال

(۳۹) ——— (۳)

(انگریزی)

لاہور
۴۔ اگست ۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

آپ کا نوازش نامہ محررہ بیس ماہ حال ابھی ابھی موصول ہوا جس کے لئے نہایت ممنون ہوں۔ آج کل عدالتیں تعطیلات گرما کے سلسلہ میں بند ہیں اور میں اپنے آخری تین خطبات مرتب کر رہا ہوں

جو اُمید ہے اواخر اکتوبر تک مکمل ہو جائیں گے۔ ابھی تک اسلامی ممالک کی سیاحت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مالی مشکلات ہنوز سدّ راہ ہیں۔ سلطان شہید پر میری نظم اس کتاب کا حصّہ ہوگی۔ جسے میں اپنی زندگی کا ماحصل بنانا چاہتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں اس کے لئے آپ کو کافی انتظار کرنا پڑیگا۔ میں نے اس کا ایک حصّہ کچھ عرصہ ہُوا مرتّب کیا تھا لیکن پھر ضروری مشاغل کی بنا پر اس کو نامکمل چھوڑ دینا پڑا۔

سلطان شہید کے کسی روزنامچہ کا مجھے علم نہیں لیکن اگر واقعی کوئی روزنامچہ موجود ہو تو اس کا ایک نسخہ نہایت شوق سے حاصل کرونگا۔ اگر آپ کے پاس موجود ہو تو کچھ دیر کے لئے مستعار مرحمت فرمائیے۔ میں اس سے ضروری نوٹ لے کر واپس کر دونگا۔

چوہدری محمد حسین صاحب ہر شام یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ سردیوں میں سفرنامہ کی تالیف و ترتیب پوری گرمجوشی سے شروع کر سکیں گے۔ مجھے اس اطلاع سے بیحد مسرت ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النبیؐ کی تقریب کے لئے ایک ولولہ

پیدا ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں ملّتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے رسول اکرمؐ کی ذاتِ اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوت ہو سکتی ہے۔ مستقبل قریب میں جو حالات پیدا ہونے والے ہیں۔ اُن کے پیش نظر مسلمانانِ ہند کی تنظیم اشد لازمی ہے۔ عبدالمجید صاحب قریشی بانیٔ تحریکِ سیرت آج تشریف لائے ہوئے تھے میں نے انہیں بتایا ہے کہ کس طرح اس تحریک کو ہندوستان میں خدمتِ اسلام کے لئے مفید و مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔ ان تفاصیل پر صرف بالمشافہ گفتگو ہی ہو سکتی ہے۔ ان کا ضبطِ تحریر میں لے آنا مناسب نظر نہیں آتا۔ آپ کا مکتوب چوہدری صاحب کے حوالے کر دیا گیا ہے امید ہے وہ سفر نامہ سے متعلق آپ کو مفصل اطلاع دینگے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص: محمد اقبال

(۳۰)―――(۳۱)

لاہور، ۴ نومبر ۲۹ء (انگریزی)

مائی ڈیئر مسٹر جمیل!

ہلال احمر فنڈ کے لئے دس روپیہ کے عطیہ کا شکریہ۔ انہیں آپ کا عطیہ

سکرٹری صاحب کے پاس بنک میں جمع کرانے کے لئے بھیج دونگا۔ مجھے امید ہے کہ احباب بنگلور جن سے میں نے اس سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے فراخ دلی سے چندہ دینگے میں نے سیٹھ حاجی اسمٰعیل ایڈیٹر الکلام اور عبدالغفور صاحب کو بھی تار دیا ہے۔ از راہ کرم ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے جو ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے وہ ان حضرات کو یاد دلائیے۔ افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانان ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لئے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔ بچہ سقہ اپنے گیارہ ساتھیوں سمیت قتل ہو چکا ہے اور نادر خاں بادشاہ بتدریج استحکام حاصل کر رہے ہیں۔

میرے خطبات اب مکمل ہو چکے ہیں اور غالباً اسی ماہ علی گڑھ میں ان کے سنانے کے لئے جاؤنگا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے بھی اواخر جون ۱۹۳۰ء میں اسی سلسلہ میں حاضری کی دعوت موصول ہوئی ہے۔ مدراس کی طرف سے بھی دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حاضر نہ ہو سکوں گا۔

سلطان شہید کے روزنامچہ کے لئے جو سلسلہ جنبانی آپ نے

شروع کی ہے اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ اگر آپ ایک نسخہ بھجوا سکیں تو میرے لئے یہ ایک گنج گراں بہا ہوگا۔ اس روزنامچہ سے امید ہے کہ سلطان سے متعلق مجوزہ نظم میں مجھے سلطان شہید کی صحیح صحیح حالت پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔ ازراہ کرم مطلع فرمائیے کہ وہ مالک کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کیا؟ میں بخوشی مناسب قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط نقل لے لیجئے۔

چوہدری صاحب بخیریت ہیں اور ہر شام تشریف لاتے ہیں۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۱)———(۵)

لاہور (انگریزی)

۴۔مارچ سنہ ۳۰ء

مائی ڈیر جمیل!

آپ کے خوبصورت عید کارڈ کے لئے جو ابھی ابھی موصول ہوا

سراپا سپاس ہوں۔ میری طرف سے بھی عید مبارک قبول فرمائیے میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے نوجوانوں کو اپنے لطف و کرم سے فیضیاب و شادکام کرے اور اپنی رحمت بے پایاں سے اُن کا دامن امید بھر دے۔

میرے خطبات زیر طباعت ہیں اور امید ہے دو ماہ تک شائع ہو جائیں گے۔ میں ناشر سے کہہ دونگا کہ ان کے شائع ہوتے ہی ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیج دے۔ لیکن اگر میں بھول جاؤں تو آخر اپریل تک مجھے بلا تکلف یاد دلا دیجئے۔

جہاں تک مجھے علم ہے گولڈزیہر کی کوئی انگریزی تصانیف نہیں ہیں۔ وہ ایک جرمن یہودی ہے اور انگریزی جانتا بھی نہ تھا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں کوئی خاص چیز مجھے تو نظر نہیں آئی۔ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں۔ کیونکہ اُن کی تصانیف سیاسی پراپیگنڈا یا تبلیغی مقاصد کی غرض سے ہوتی ہیں۔

افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں

معدودے چند افراد کو اس ملک کے انقلاب کے اسباب سے واقفیت ہے۔ میری رائے میں امیر امان اللہ کی واپسی کے کوئی امکانات نہیں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں افغان اُسے نہیں چاہتے۔ اعلیٰ حضرت نادر خاں ملک کو شاہراہِ ترقّی پر ڈالنے کی بیحد کوشش فرما رہے ہیں وہ افغانوں کے محبوب ہیں اور نیم پنجابی بھی۔ ان کی والدہ لاہور میں پیدا ہوئیں اور یہیں پرورش پائی۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۲)—————(۶)

لاہور (انگریزی)

۲۔ دسمبر ۳۴ء

ڈیر مسٹر جمیل!

نوازش نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے ممنون ہوں۔ گذشتہ گیارہ ماہ سے گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ شاید علاج کے لئے وائنا جانا پڑے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے میرے خطبات شا[illegible]

ایک خطبہ بہ عنوان "کیا مذہب ممکن ہے" بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے آپ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کلکتہ یا بمبئی سے حاصل کر سکتے ہیں یا پھر براہِ راست لنڈن سے۔

میری اُردو نظموں کا ایک مجموعہ جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہوگا ایک دو مہینے ہوئے ایک فارسی نظم "مسافر" شائع ہوئی تھی۔ یہ میری سال گذشتہ کی سیاحتِ افغانستان کا تذکرہ ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۳) ——— (۷)

(انگریزی)

بھوپال

شیش محل

۲۔ مارچ ۳۶ء

ڈیر مسٹر جمیل!

نوازش نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے ممنون ہوں میں بدستور بیمار ہوں۔ بھوپال میں برقی علاج ہو رہا ہے۔ بوجہ علالت

روہڈز لیکچرز فی الحال منسوخ کر دئے گئے ہیں۔ بال جبریل گذشتہ سال شائع ہوئی اور ضرب کلیم امید ہے آئندہ اپریل میں شائع ہو جائیگی۔ ان دونوں کتابوں کے لئے تاج کمپنی لاہور کو اور "اسلام اور احمدیت" کے لئے انجمن خدام الدین لاہور کو لکھئے۔

مخلص

محمد اقبال

تصدق حسین تاج کے نام

(۴۴) ——— (۱)

جنابِ من! السلام علیکم

مجھے کوئی تامل نہیں۔ آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اس سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیال میں بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی۔ طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اس کتاب کا اب تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے گا۔ آئندہ آپ کا اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔

محمد اقبال، لاہور ۱۱۔ جنوری ۲۷ء

نوٹ (بابت ترجمہ Persian Metaphysics سے متعلق)

عطیہ بیگم کے نام اقبال کے مکاتیب

عطیہ بیگم صاحبہ بانیہ "اکیڈمی آف اسلام" کے نام گرامی سے پاکستان اور ہندوستان کا ہر تعلیم یافتہ مسلمان اچھی طرح آشنا ہے اُن کے خاندان کے ذوقِ علمی کا اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ ۱۹۰۷ء میں جب مسلمانانِ ہند ابھی انگریزی تعلیم کی حلّت و حُرمت کے مباحث میں اُلجھے ہوئے تھے، عطیہ کو تکمیلِ تعلیم کے لئے انگلستان بھیجا گیا اور وہ بھی فلسفہ ایسے ادق اور دماغ سوز مضمون میں۔ اُن کی ذہانت، قابلیت اور وسعتِ مطالعہ کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہوگا کہ عطیہ اور اقبال مستند اہلِ علم اور ماہرینِ فلسفہ کے علمی مباحثات میں شامل ہوتے رہے اور اقبال نے عطیہ کی رائے کی وقعت کو عملاً تسلیم کیا۔ یہاں تک کہ انہیں اپنا پی، ایچ، ڈی کا مقالہ اور "تاریخِ عالم" کا مسودہ پورا پڑھا سُنایا۔

عطیہ بیگم اس زمانے میں اپنا ایک روزنامچہ لکھتی جاتی تھیں۔ وہ روزنامچہ ان خطوط کی طرح محفوظ ہے اور اسی کی مدد سے موصوفہ نے اکیڈیمی آف اسلام کی طرف سے اقبال کے زیر عنوان ایک مقالہ انگریزی زبان میں شائع فرمایا ہے۔ جس میں یہ خطوط شامل ہیں اور اقبال کے قیام یورپ کے حالات و واقعات پورے طور پر قلمبند کر دئے گئے ہیں۔

عطیہ بیگم صاحبہ نے ازراہِ علم دوستی عقیدتمندان و دوستدارانِ اقبال کے وسیع تر حلقہ تک ان خطوط کے پہنچانے کے لئے مجھے ان انگریزی خطوط کو 'مکاتیب اقبال' حصہ دوم میں شامل کر لینے کی بخوشی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ جس کے لئے میں اُن کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان خطوط کا ضروری پس منظر جو اِن کے سمجھنے میں معاون ہوگا، اُن کے انگریزی مقالہ 'اقبال' سے پیشِ خدمت ہے۔

مُلاقاتِ اوّل

اقبال اور عطیہ بیگم کی پہلی ملاقات کی کیفیت نہایت پُرلطف ہے۔

مس بیک کی طرف سے جن کا دولتکدہ اُس زمانے میں ہندوستانی طلباء کا ماویٰ و ملجا تھا، عطیہ بیگم کو ایک خاص دعوت دی جاتی ہے کہ یکم اپریل کو تشریف لائیں۔ تاکہ محمد اقبال نامی ایک قابل و ہونہار نوجوان سے اُن کی ملاقات کرائی جا سکے جو خاص اسی غرض سے کیمبرج سے لندن آ رہے ہیں۔

چونکہ مس عطیہ فیضی اقبال کے نام تک سے بھی آشنا نہیں۔ یہ دعوتِ خاص انہیں ایک گونہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔

اقبال آئے، ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد عطیہ بیگم نے رفعِ حیرت کے لئے اس ملاقات کی علتِ مخصوص دریافت فرمائی۔ تو اقبال نے ایک ماہر قاصد کی طرح عطیہ بیگم کے کمالات کو تقریبِ ملاقات کے لئے اپنی سپر بنایا اور کہا "آپ کو اپنے سیاحت نامہ کی بدولت ہندوستان اور انگلستان میں جو شہرت حاصل ہو چکی ہے، وہی میرے اس اشتیاقِ ملاقات کا باعث ہوئی ہے" عطیہ بیگم نے تسلیم بجالاتے ہوئے فرمایا "کیمبرج سے لندن تک کے سفر کی زحمت محض اس ذرہ نوازی کیلئے

میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ مذاق برطرف میں اس تکلیف فرمائی کی علت غائی جاننے کی آرزومند ہوں۔" مس عطیہ کی اس صاف گوئی سے اقبال کو اظہارِ مقصد کا جس کے لئے وہ ایک دلاویز تمہید باندھ رہے تھے، موقع میسر آگیا۔ اور وہ بلا تمہید مزید یوں گویا ہوئے:

"میں سید اور بیگم علی بلگرامی کی طرف سے آپ کے لئے کیمبرج آنے کی دعوت لے کر حاضر ہوا ہوں اور اس پر مامور ہوں کہ آپ کی قبولیت اُن تک پہنچا دوں۔ اگر آپ دعوت رد کریں گی تو میرے لئے یہ ایک ایسا داغ ناکامی ہوگا۔ جس کا میں عادی نہیں۔ اگر دعوت کو شرفِ قبولیت بخشیں گی تو یہ میزبانوں کے لئے باعثِ افتخار ہوگا۔"

ایسے ادا فہم، رمز آشنا اور نکتہ سنج قاصد کیلئے کامرانی بیتاب تھی۔ دعوت قبول کر لی گئی اور ۲۲۔ اپریل کو مس عطیہ بیگم اقبال اور شیخ عبدالقادر کی معیت میں کیمبرج پہنچیں۔ سید علی بلگرامی کے دولتکدہ پر اقبال نے یہ گراں قدر اور مقدس امانت پیش

کرتے ہوئے ایک فارسی شعر پڑھا اور فرمایا "مجھے اگر کبھی ناکامی کا اندیشہ لاحق ہوا ہے تو محض مس عطیہ کو یہ دعوت قبول کرانے میں۔ انہوں نے آپ کے پاسِ خاطر سے دعوت قبول فرما کر میری قاصدی کو داغِ ناکامی سے بچا لیا۔" آج کون ہے جسے میزبان، قاصد اور مہمان کی عظمت سے انکار ہو؟

مس بیک کے ہاں ابتدائی تعارف کے بعد ہی اپنے مخصوص ذوقِ مشترک کی بنا پر اقبال اور عطیہ بیگم میں فلسفہ موضوع گفتگو بن گیا۔ (مس عطیہ نے فلسفۂ قدیم و جدید میں تکمیل حاصل کی تھی) اس مختصر صحبت میں نیٹشے اور افلاطون پر دونوں کے نکتہ ہائے نگاہ میں ایک اختلاف پایا گیا۔

اقبال نے چند خطوط میں اس اختلاف علمی میں اپنا نکتۂ نظر پیش کیا، مس عطیہ نے اپنے دلائل پیش کئے اور یہ تحریری مناظرہ ختم ہو گیا۔ افسوس اس تحریری مناظرہ کی کوئی یادگار باقی نہیں۔

دونوں کی ملاقاتِ اوّل میں ان کے باہمی ذوقِ سخن نے حافظؒ

کو بھی موضوعِ گفتگو بنا لیا۔ اور دونوں طرف سے حافظ کے اشعار آبدار جو نوکِ زبان تھے، سنائے جانے لگے۔ عطیہ نے دیکھا کہ اقبال حافظ کے بڑے مدّاح ہیں۔ اقبال نے کہا "جب میرا ذوق جوش پر آتا ہے تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں۔"

اقبال نے عطیہ سے 'بابا فغان' کی تصانیف کے مطالعہ کی سفارش بھی کی۔ کیونکہ وہ ہندوستان میں کمیاب ہیں۔

بعد کی ملاقاتیں

ملاقاتِ اوّل کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق مس عطیہ کو اقبال لندن میں دعوتِ طعام دیتے ہیں۔ دعوت میں جرمن پروفیسران بھی شامل ہیں اور وہی فلسفیانہ مسائل پر گرماگرم بحث جاری ہے مس عطیہ اپنی سہیلیوں سے چائے کی دعوت میں اقبال کا تعارف کراتی ہیں تو مختلف علوم و فنون میں ماہر عورتوں کا ایک مجمع موجود ہے۔

پروفیسر آرنلڈ کے ہاں اربابِ علم کی ایک محفل منعقد ہوتی

ہے تو اُس میں بھی دونوں موجود ہیں۔ فلسفۂ مرگ و حیات پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن اقبال خاموش ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ خاص طور پر اقبال کو اظہارِ خیال کی دعوت دیتے ہیں تو اقبال برجستہ فرماتے ہیں :۔

"زندگی موت کی ابتدا ہے اور موت زندگی کا آغاز"

پروفیسر آرنلڈ کے ہاں ہی ان کی دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ اور آرنلڈ اقبال کو ایک نادر عربی قلمی نسخہ کے مطالعہ کے لیئے جرمنی بھیجنے کی تجویز کرتے ہیں اور تھوڑی بہت کسر نفسی اور معذرت کے بعد آرنلڈ کے اصرار پر اس خدمت کے لیئے آمادگی ظاہر فرماتے ہیں۔

اگلے ہی روز ایک علمی مجلس میں پھر دونوں موجود ہیں۔ وہی علمی فضا، وہی دقیق مسائل پر بحث مباحثہ۔ جرمن اور عربی کتب سے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ گرما گرم بحث جاری ہے۔ اقبال حسب موقع حافظ کے اشعار بھی مثال اور سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ دوسرے فلاسفر سے اُس کا

موازنہ اور اس کے نصب العین کی وضاحت بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔

ہندوستانی طلبا کا ایک جشن تفریح منعقد ہے۔ ڈاکٹر انصاری بھی شامل ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے کمالات سے حاضرین کو محظوظ کر رہا ہے۔ اقبال نے حاضرین میں سے ہر ایک کا ایسا نقشہ مزاحیہ اشعار میں کھینچا ہے کہ سننے والے مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ اشعار لکھنے کی کوشش کی تو اقبال نے یہ کہہ کر روک دیا کہ یہ ایک باہمی تفریح کی وقتی چیز ہے، لائق دوام نہیں۔

بعد کی دو ملاقاتوں میں اقبال نے امتحان کے لئے جو مقالہ تیار کیا تھا اور اپنا مسودہ "تاریخ عالم" جو جرمن امتحان کے لئے لکھا تھا مس عطیہ کو پورا پورا سنایا اور اُن کی رائے کی قدر کی۔ ایک دوسری ملاقات میں ان کے مباحث علمی میں ایک جرمن پروفیسر بھی شامل نظر آتے ہیں۔

۱۶۔ جولائی سنہ کو اقبال اپنی کتاب "علم الاقتصاد" کا اصل

مسودہ اور اپنے اُس مقالہ کا مسودہ جس پر انہیں ڈگری ملی مس عطیہ کو پیش کرتے ہیں۔ یہ دونوں مسودات اور اقبال کا ایک جرمن زبان میں لکھا ہُوا خط بعد میں عطیہ سے پروفیسر آرنلڈ نے بطور یادگار لے لئے۔

اس وقت کہ یہ سطور زیرِ تحریر ہیں، عطیہ بیگم پھر لندن میں ہیں اور میں نے انہیں لکھا ہے کہ وہ پاکستان ہائی کمشنر کی معرفت کوشش کریں کہ اقبال کی یہ یادگاریں پاکستان کو واپس مل جائیں اور انہیں عجائب خانہ میں جگہ ملے۔

جرمنی

اقبال جرمنی چلے گئے۔ عطیہ کی تکمیل تعلیم کے لئے بھی پروفیسر آرنلڈ نے انہیں مشورہ دیا کہ ہندوستان واپسی سے پہلے جرمنی ضرور جائیں اور وہاں کے نظام تعلیم کا مطالعہ کریں اور فلسفہ کے پروفیسروں سے ملیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کو اطلاع دے دی کہ مس عطیہ ان کی تجویز پر چند دنوں کے لئے جرمنی آئیں گی۔

مس عطیہ اپنے بھائی ڈاکٹر فیضی اور چند دوسرے ہندوستانی طلباء کی معیت میں جرمنی پہنچتی ہیں۔ ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں قیام کرتی ہیں۔ اقبال نے ان کے لئے جرمنی کے مشہور مقامات کی سیر کا ایک پروگرام تیار کر رکھا ہے اور قابلِ مطالعہ کتابوں کی ایک فہرست بھی مرتب کر رکھی ہے۔

اقبال جرمنی میں بے حد خوش ہیں۔ انگلستان کی سی دل گرفتگی جرمنی میں نہیں پائی جاتی۔ جرمنی میں گھر کی سی فضا موجود ہے۔ اقبال کی قابل اُستانیاں سیر و تفریح اور علمی مباحث میں ساتھ ہیں۔ ان کی قابلیت کا یہ حال ہے کہ اقبال کے ایک جرمن پروفیسر کی کم عمر لڑکی اقبال سے سوال پوچھتی ہے اور حسبِ ضرورت جوابات کی ایسی وضاحت کرتی جاتی ہے کہ اقبال اظہارِ تاسف کے طور پر دانتوں میں انگلی کاٹنے لگ جاتے ہیں۔

عطیہ اور اس کے ساتھیوں کا جرمنی میں دس دن تک قیام رہا اور پھر وہ لوگ ہندوستان چلے آئے۔

مس عطیہ نے اس مقالہ میں دو دلچسپ واقعات لکھے ہیں ایک اقبال سے متعلق ہے اور دوسرا اقبال نے اپنے والد بزرگوار کے متعلق خود مس عطیہ کو سنایا۔ ایک روز جب مس عطیہ جرمنی میں تھیں اور ایک پارٹی کسی خاص مقام کو روانہ ہونے والی تھی۔ اقبال روانگی سے بہت دیر پہلے مراقبہ میں چلے گئے اور دیر تک عالم و ما فیہا سے غافل بے حس و حرکت آنکھیں بند کئے بت بنے بیٹھے ہیں۔ جرمن اُستانیاں پریشان ہیں کہ اقبال کو کیا ہو گیا اور کیا وہ دوبارہ کبھی ہوش میں آئیگا! جب پارٹی اقبال کے کمرے میں جمع ہوئی اور مس عطیہ بھی پہنچیں تو اقبال کو اس کی ایک استانی کی مدد سے عطیہ نے جھنجھوڑا اور اُردو میں کہا، یہ جرمنی ہے ہندوستان نہیں، کیا کر رہے ہو۔ اقبال ایسے اُٹھے، گویا گہری نیند سے بیدار ہوئے ہیں۔

دوسرا واقعہ جو اقبال کے والد بزرگوار کے صاحب کشف ہونے پر دلالت کرتا ہے، اقبال نے مس عطیہ سے خود بیان

فرمایا :—

اقبال کی عمر گیارہ برس تھی، جب ایک رات غیر معمولی آہٹ سُن کر وہ بیدار ہوئے۔ والدہ کو دیکھا تو وہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے جا رہی ہیں۔ اقبال بھی پیچھے پیچھے ہو لئے۔ دیکھا تو ان کے والد کے گرد اگرد جو دروازے کے باہر بیٹھے ہیں۔ ایک حلقۂ نور بنا ہوا ہے۔ اقبال نے والد کے پاس جانا چاہا تو والدہ نے منع کر دیا اور اسے سمجھا بجھا کر واپس سونے کے لئے بھیج دیا۔ صبح اُٹھتے ہی اقبال والد بزرگوار سے رات کی کیفیت کی تشریح کے طالب ہوئے تو انہیں بتایا گیا کہ رات کو اُن کے والد بزرگوار کو مراقبہ میں معلوم ہوا ہے کہ کابل کا ایک قافلہ جو شہر کی طرف آ رہا ہے، شہر سے پچیس میل دُور بڑی مشکل میں مبتلا ہے۔ اس کاروان میں ایک مریض ہے جس کی حالت خطرناک ہو چکی ہے اور اب قافلہ سفر سے معذور ہے اور یہ کہ اقبال کے والد بزرگوار کو جا کر اُن کی مدد کرنی چاہئے۔ اس کے بعد اقبال کے والد بزرگوار

نے غالباً کچھ دوا دارو جمع کیا اور پوری تیزی سے قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اقبال بھی ساتھ تھے۔ تانگہ قافلے کے پاس پہنچا۔ تو واقعی اہلِ قافلہ ایک شخص کی علالت کی وجہ سے بیحد پریشان تھے۔ اقبال کے والد بزرگوار نے پہنچتے ہی پوچھا۔ مریض کہاں ہے؟ اس مریض کے کچھ اعضا معطّل ہو گئے تھے۔ اقبال کے والد بزرگوار نے مریض کے جسم پر ایک راکھ سی دوا کے طور پر چھڑکی اور کہا کہ مریض انشاءاللہ اچھا ہو جائیگا۔ لیکن یہ قدرت خدا ہی کو حاصل ہے کہ اس کے وہ اعضا جو معطّل ہو چکے تھے دوبارہ دے دے۔ چوبیس گھنٹے میں مریض کی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اہلِ قافلہ نے معقول فیس ادا کرنی چاہی۔ جسے قبول نہ کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد یہ قافلہ سیالکوٹ پہنچا تو مریض شفایاب ہو چکا تھا۔

یہ خطوط انگریزی میں لکھے گئے۔ زبان کی خوبی، لطافت اور حسنِ بیان ان خطوط کا خاص حصہ ہے۔ ابتدائی عمر میں اقبال کی یہ انشا پردازی اہم اور نازک مسائل پر اظہارِ خیال کا پیرایہ

اس کی قادر الکلامی کا ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

عطاء اللہ مرتب اقبال نامہ

۵- مارچ ۱۹۴۹ء

عطیہ بیگم کے نام

(۴۵) (۱)

ٹرینٹی کالج۔ کیمبرج ۲۴- اپریل ۱۹۰۷ء

مائی ڈیر مس فیضی!

حسبِ وعدہ اپنی ایک نظم بھیج رہا ہوں۔ وقتِ نظر سے مطالعہ کے بعد اپنی تنقید سے ممنون فرمایئے گا۔ خیال تھا کہ اپنی اردو کتاب "علم الاقتصاد" بھی پیش کرتا۔ افسوس ہے، میرے پاس یہاں کوئی نسخہ موجود نہیں۔ ہندوستان سے اس کا حاصل کرنا چنداں مشکل نہیں۔ اسی ہفتہ اس کے لئے لکھوں گا۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(۴۹)―――――(۲)

لاہور

۱۳- جنوری ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

گرامی نامہ کے لیے جو ابھی ابھی موصول ہو کر باعث تسکین ہوا سراپا سپاس ہوں۔ میرا ارادہ تعزیت کے لئے خود بمبئی حاضر ہونے کا تھا۔ لیکن ۲۹۔ دسمبر کو جب میں کانفرنس کے مباحث میں شریک تھا وطن سے بھائی جان کی تشویشناک علالت کی اطلاع بذریعہ تار ملی۔ میں اسی روز سیالکوٹ چلا گیا اور بقیہ تعطیلات ان کی تیمارداری میں صرف ہو گئیں۔ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے وہ اب بالکل تندرست ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے انہیں از سرِ نو زندگی بخش کر مجھے ایک صد درجہ المناک حادثہ سے بال بال بچا لیا ہے۔ ایک عرصہ سے وہ میرے کفیل چلے آ رہے ہیں۔

جنجیرہ آنے کی دعوت کے لئے آپ کا، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کا ممنونِ احسان ہوں۔ یہ دعوت میرے لئے مسرت و منفعت

کی سرمایہ دار تھی۔ لیکن آپ جانتی ہیں میں نے حال ہی میں اپنا کاروبار شروع کیا ہے اور اس کے لئے میری یہاں موجودگی اشد ضروری ہے افسوس ہے مجھے دوسروں کی خاطر آپ کے لطفِ صحبت سے محروم ہونا پڑ رہا ہے۔ میری دلی آرزو تھی کہ اس حادثہ میں آپ اور آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کے غم و الم میں شریک اور آپ کا غم غلط کرنے میں کوشاں ہوتا۔ لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں خود اپنے جذبات کی پائمالی پر مجبور ہوں۔

ناساعد حالات کے مقابلے میں مجھے سپر ڈال ہی دینی پڑی ہے امید ہے میری یہ دُنیا پرستی جو شاعری میں حماقت کے ہم معنی ہے ناگوارِ خاطر نہ ہوگی۔ ان ناسازگار حالات کی وجہ سے میرے لئے مستقبل قریب میں جنجیرہ آنا مشکل ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کرسمس کی تعطیلات میں جب چیف کورٹ بند ہو آپ سے ملاقات کے لئے آسکوں۔ میرے لئے آپ کی، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی صحبت دِلی مسرت اور دماغی منفعت کی سرمایہ دار ہے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں مؤدبانہ سلام عرض

کرنے کے بعد انہیں ایک ایسے دُور افتادہ دوست کی خیرسگالی کا یقین دلائیے جسے ناموافق حالات نے اُن سے ملاقات کی فوری مسرتوں سے یوں بے دردانہ محروم کر دیا ہے لیکن جسے یہ ناموافق حالات بھی دولتِ تخیّل سے محروم کر دینے پر قادر نہیں۔

مخلص: محمد اقبال

تحریر مابعد:—

فلسفۂ عجم شائع ہو چکا ہے۔ جلد ایک نسخہ خدمت عالی میں مرسل ہو گا۔ غزلوں کا مجموعہ جلد شائع کرنے کا آرزو مند ہوں۔ یہ مجموعہ ہندوستان میں طبع ہو گا، جرمنی میں جلد بندھے گی اور ایک "ہندوستانی خاتون" کے نام سے فخرِ انتساب حاصل کریگا۔

(۱۷۴)———(۳۰)

لاہور

۰۹ اپریل سنہ ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس غیتی!

عنایت نامہ آج موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

میں یہ نہیں بتاؤنگا کہ میر محمد صاحب کون بزرگ ہیں۔ آپ انہیں نہیں، اُن کی بیگم صاحبہ کو جانتی ہیں۔ مجھے امید ہے آپ اس اشارہ سے اُن کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو جائینگی۔

بلاشبہ چند روز قبل میں نے علی گڑھ کالج کے شعبۂ فلسفہ کی پروفیسری اور گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ تاریخ کی پروفیسری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں قیدِ ملازمت سے آزاد رہنا چاہتا ہوں اور دوسرے میرا ارادہ تو اوّلین فرصت میں اس ملک سے ہجرت کر جانے کا ہے۔ وجہ آپ کو معلوم ہے۔ صرف بھائی جان کی طرف سے مجھ پر ایک اخلاقی قرض و فرض مسلط ہے وہ زنجیر پا بنا ہوا ہے۔ میری زندگی حد درجہ تلخ ہے (یہاں اقبال نے اپنی ایک خانگی اور ذاتی پریشانی کا ذکر کیا ہے۔ (مرتّب)) اس مصیبت کا واحد علاج یہی ہے کہ میں اس بدنصیب ملک کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ جاؤں یا پھر شراب نوشی کی لت ڈالوں کہ خودکشی کا مرحلہ آسان ہو جائے۔ کتابوں کے بوسیدہ و عقیم اوراق میرے لئے سرمایۂ مسرت سے عاری ہیں۔ میری روح کا سوز انہیں اور تمام سماجی رسم و رواج کو جلا کر خاک کر دینے کیلئے کافی

ہے۔ آپ کہتی ہیں دنیا کو ایک خدائے خیر نے پیدا کیا ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ لیکن دنیا کے حقائق تو کسی دوسرے نتیجہ ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر عقلِ انسانی ہی کو معیار قرار دیا جائے تو یزداں کی نسبت ایک قادرِ مطلق اور ابدی اہرمن پر ایمان لانا زیادہ آسان نظر آتا ہے۔

ان خرافات کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ میں ہمدردی کا طالب نہیں۔ میں تو اپنی روح سے وہ بار ہلکا کرنا چاہتا تھا جس کے نیچے وہ دبی چلی جارہی ہے۔ چونکہ آپ مجھے بخوبی جانتی ہیں، میں نے اپنے جذبات کے اظہار میں باک نہیں سمجھا۔

امید ہے اب آپ سمجھ چکی ہونگی کہ میں نے ملازمت سے کیوں انکار کیا۔ افسوس ہے آپ کے لئے استانی مہیا نہ کرسکا۔ انجمن کے سیکرٹری نے چند روز ہوئے مجھے بتایا تھا کہ آج کل استانی کا مہیا آنا بے حد مشکل ہے۔ میں نے چند روز گذرے ایک پبلک جلسہ میں "سماج کے ارتقا میں مذہب کے عنصر کا مفہوم" کے عنوان پر ایک تقریر کی تھی۔ میں نے صرف چند ضروری نوٹ لکھ لئے تھے۔ معلوم

نہیں کسی نے پورے نوٹ قلمبند کئے یا نہیں۔ انجمن میں میرا لیکچر "اسلام ایک سیاسی و مذہبی نصب العین کی حیثیت سے" کے زیرِ عنوان انگریزی میں ہوگا۔ اگر یہ لیکچر شائع ہؤا تو ضرور مرسلِ خدمت ہوگا۔ ایڈیٹر آبزرور سے کہونگا کہ آبزرور کا ایک پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔

عبدالقادر صاحب چیف کورٹ میں پریکٹس کے لئے لاہور تشریف لے آئے ہیں۔

مجھے یہ معلوم کرکے نہایت افسوس ہؤا ہے کہ آپ کو یاد نہیں آتا کہ میں آپ سے اور نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے جو مجھ پر بے حد شفقت فرماتے ہیں ملاقات کے لئے بمبئی آنے کا آرزومند ہوں۔ میں تو ضرور حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن آیا یہ ممکن ہو سکے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یقین مانئے، آپ لوگوں کی صحبت سے زیادہ تسکین مجھے کہیں میسّر نہیں۔

دو تین ہفتے گذرے آپ کی سہیلی Wegenast کا خط آیا۔ وہ نہایت سچی اور نیک دل لڑکی ہے۔ میں نے اُسے اور بڈھی نیک دل

استانی کو بھی لکھا ہے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجئے اور انہیں میری رفاقت کا جو اگرچہ ان کے لئے کسی مصرف کی نہیں، لیکن خلوص و ثبات کی سرمایہ دار ہے یقین دلا دیجئے۔

مخلص

محمد اقبال

(۴۸)————(۴)

لاہور

۱۷۔ جولائی ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

گرامی نامہ کے لئے جو ابھی ابھی موصول ہوا سراپا سپاس ہوں۔ آج صبح سے طبیعت غیر معمولی طور پر بشاش ہے۔ لہٰذا اگر نیاز نامہ میں ظرافت کی چاشنی محسوس کریں تو معذور سمجھیں۔ میں نے اپنا منصوبہ بدل نہیں دیا۔ میری غیر حاضری سے آپ کوئی مخالف نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ مجھے بعض وقت دو کشتیوں، ایک دخانی جہاز، دو

ٹانگوں اور دو گھاٹیوں کے خیال سے خوف ضرور لاحق ہوتا ہے[۱]۔ یہ سفر تو ایک ہفت خوان سے کم نہیں۔ جسے عبور کر لینے پر مجھے رستم کی سی شہرت نصیب ہو سکتی ہے۔ رستم کی ضرورت تو اشد تھی اور مجھے اپنی ضرورت کی نوعیت کا پورا پورا علم بھی نہیں ہے۔ میں جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو عام طور پر اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتا ہوں، جدھر چاہیں بہا لے جائیں۔

مجھ پر آپ کی بے پایاں عنایات کا آپ کو تو غالباً علم ہی نہیں لیکن مجھے ان کا اس قدر احساس ہے کہ اس کے اظہار سے میری زبان قلم قاصر ہے۔ چونکہ ناقابل بیان احساسات کا حیطۂ بیان میں لے آنا ممکن نہیں۔ آئیے اس قصہ کو یہیں چھوڑ دیں۔

آپ بھی تو فرماتی ہیں کہ آپ قطعی فیصلہ کر چکی ہیں اور اب اُس میں کسی تغیر کی گنجائش نہیں۔ وہ شکایات شیریں جنہیں آپ غلطی سے حقیر کے نام سے تعبیر کرتی ہیں، اُن کی نوعیت سے مجھے بھی تو آگاہ فرمایئے

۱۔ پنجیرو پہنچنے کے لئے مصائب و مسائل سفر کی یہ خاکہ عطیہ بیگم نے اپنے خط میں اقبال کی آگاہی کے لئے کھینچا تھا۔

اگر یہ شکایات مجھ سے ہیں تو از راہِ کرم انہیں تشنۂ تفصیل نہ رہنے دیجئے۔
بلاشبہ ہر شخص کے لئے زندگی موت کے انتظار کا نام ہے میں بھی
اگلے جہان کی سیر کا آرزو مند ہوں۔ وہاں پہنچ کر چاہتا ہوں کہ اپنے
خالق کی زیارت کروں اور اس سے خواہش کروں کہ میری ذہنی کیفیت کی عقلی
وضاحت کی جائے اور یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ مجھ سے آپ کو شکایت نہ ہونی
چاہئے۔ میں تو خود اپنے لئے بھی ایک معمہ ہوں۔ برسوں گزرے میں نے کہا تھا۔

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

بہت لوگوں نے میرے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا
ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے تنہائی میں بارہا اپنے آپ پر ہنسی آئی ہے
میں اب ان خیالات و بیانات کا ایک قطعی جواب دینے والا ہوں۔
آپ اُسے مخزن کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گی۔
میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنے متعلق دوسروں کے خیالات کا
اظہار تو کر دیا ہے لیکن جواب ابھی نظم کرنا باقی ہے۔
مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ شمالی ہندوستان میں میری ذات

سے عقیدت و احترام کے فقدان سے آپ کو انتہائی قلق ہوا۔ یقین مانیے مجھے دوسروں کے احترام کی پرواہ نہیں۔ میں دوسروں کی واہ واہ پہ زندہ رہنے کا قائل نہیں۔

جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے

لوگ ریاکاری سے عقیدت رکھتے ہیں اور اسی کا احترام کرتے ہیں۔ میں ایک بے ریا زندگی بسر کرتا ہوں اور منافقت سے کوسوں دُور ہوں۔ اگر ریاکاری و منافقت ہی میرے لئے وجہِ حصولِ احترام و عقیدت ہو سکتی ہے تو خدا کرے میں اس دنیا سے ایسا بے تعلق اور بیگانہ جاؤں کہ میرے لئے ایک بھی آنکھ اشکبار اور ایک بھی زبان نوحہ خواں نہ ہو۔

پبلک کے احترام و عقیدت کا خراج اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو عوام کے غلط نظریاتِ اخلاق و مذہب کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ مجھے عوام کے احترام کی خاطر اُن کے نظریات کو قبول کر کے اپنے آپ کو گرانا اور روحِ انسانی کی فطری آزادی کو دبانا

نہیں آتا۔ بائرن۔ گوئٹے اور شیلے کو اپنے معاصرین کا احترام حاصل نہ ہو سکا۔ میں اگرچہ فنِ شعر میں ان کی ہمسری کا دعوےدار نہیں ہو سکتا تاہم مجھے فخر ہے کہ کم از کم اس اعتبار سے ان کی ہمنشینی کا حقدار ضرور ہوں۔

کیا میں نے کبھی آپ کی رہنمائی کی ہے؟ آپ کو تو کبھی میری طرف سے علمی رہنمائی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اتنا تو مجھے ضرور یاد پڑتا ہے کہ میں نے افلاطون سے آپ کو روشناس کرایا اور بس۔ یہ مطالعہ اس قدر کم اور سرسری تھا کہ اس سلسلہ میں آپ کی علمی رہنمائی کے شرف کا اپنے کو حقدار نہیں سمجھتا۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خواہشات کے عدمِ احترام کا مرتکب ہوں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

آپ کی خواہشات کا احترام میں نے ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے اور آپ کی خوشنودی کے لئے امکان بھر کوشاں رہا ہوں۔ البتہ جب کبھی کوئی امر ہی میرے حیطۂ اقتدار سے باہر ہوا تو میں مجبور رہا۔ میری فطرت کا

تقاضا میری رہنمائی ایک دوسری طرف ہی کر رہا ہے۔

"ورنہ آپ زیادہ محتاط ہوتے"۔ افسوس ہے میں آپ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔ از راہ کرم ذرا وضاحت فرمایئے۔ مجھے کس اعتبار سے زیادہ محتاط رہنا چاہئے؟ میں ہمہ تن آپ کی خدمت کے لئے آمادہ ہوں۔ میں تو اپنی فطرت کے تقاضے سے پرستاری پر مجبور ہوں۔ میری پرستش کوئی کیا کریگا! لیکن وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کئے ہوئے ہیں، عوام پر ظاہر ہوں تو پھر مجھے یقین واثق ہے کہ میری موت کے بعد میری پرستش ہوگی۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کریگی اور مجھے اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کریگی۔

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردے خود آگاہے

(مرتب)

لفٹنٹ گورنر لاہور گورنمنٹ کالج کی پروفیسری کے لئے سکریٹری آف سٹیٹ سے میری سفارش کرنے پر آمادہ تھے۔ لیکن میں نے اپنے

میلانِ طبع کے خلاف اس اسامی کی امیدواری سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حالات مقتضی ہیں کہ میں ہر مسئلہ میں مالی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھوں۔ اگرچہ اسی نقطۂ نگاہ کے خلاف میں نے چند سال قبل بغاوت برپا کر رکھی تھی۔ اللہ کے بھروسہ پر میں نے وکالت ہی کو اپنا پیشہ اختیار کئے رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کیا آپ مجھے اس نظم کی جو میں نے میونک سے آپ کو بھیجی تھی نقل ارسال فرما سکتی ہیں؟ میرے پاس کوئی نقل نہیں اور میں اُسے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز۔

مخلص: محمد اقبال

نظم محولہ بالا حسب ذیل ہے:—

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے
خوبیٔ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے
خود تڑپتا تھا چمن والوں کو تڑپاتا تھا میں
تجھ کو جب رنگیں نوا پاتا تھا شرماتا تھا میں

میرے پہلو میں دلِ مضطر نہ تھا سیماب تھا
ارتکابِ جرمِ الفت کے لئے بیتاب تھا
نامرادی محفلِ گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آئنہ دارِ شبِ دیجور تھی
از نفس در سینۂ خوں گشتہ نشتر داشتم　　زیرِ خاموشی نہاں غوغائے محشر داشتم
اب تاثر کے جہاں میں وہ پریشانی نہیں
اہلِ گلشن پر گراں میری غزل خوانی نہیں
عشق کے کانٹے سے لالے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے
غازۂ الفت سے یہ خاکِ سیاہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکسِ ہمدمِ دیرینہ ہے
قید میں آیا تو حاصل مجھ کو آزادی ہوئی
دل کے لٹ جانے سے میرے گھر کی آبادی ہوئی
ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی
اے خنک روزیکہ خاشاکِ مرا و اسوختی

میونک (جرمنی)　　　　دُور افتادہ اقبال

(۴۹) ——— (۵)

لاہور

۱۷۔ اپریل ۱۹۰۹ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

تسکین[1] نامہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ فرماتی ہیں کہ آپ مجھ سے بہت سے سوالات کرنا چاہتی ہیں۔

بسم اللہ! آپ جانتی ہیں کہ میں آپ سے کوئی بات چھپاتا نہیں بلکہ ایسا کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ میرے خطوط طمانیت بخش نہ تھے لیکن ان وجوہ کی بنا پر جو آپ نے اپنے گذشتہ عنایت نامہ میں بیان کیں، ایسا ہونا ناگزیر تھا۔

---

[1] گذشتہ خط میں اقبال نے اپنی ایک جانگی اذیت کا ایک دردناک خاکہ پیش کیا تھا جس کے جواب میں عطیہ بیگم نے کلماتِ تسکین تحریر فرمائے اور اس اضطراب و مایوسی کو اقبال کی شان کے منافی قرار دیا۔ (مرتّب)

مجھے فراموشگاری کا مرتکب نہ گردانئے۔ یہ میری فطرت و عادت کے خلاف ہے۔ میں تو آپ کے قلم سے اس امر کی توضیح و تشریح کا طالب ہوں۔

گذشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گزرنا پڑا۔ میں نے محسوس کیا کہ دوزخ تو سردی کے لحاظ سے ایک برفستان ہے۔ دوزخ کے ارباب اختیار نے میری حیرت کو بھانپ لیا اور کہا کہ اس مقام کی فطرت تو صد درجہ بارد ہے لیکن اس سے گرم تر مقام فہم و گمان سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اس کے گرمانے کے لئے ہر شخص اپنا ایندھن ساتھ لاتا ہے۔ میں بھی اس سلسلہ میں امکان بھر کوئلہ جمع کرنے کی فکر میں ہوں لیکن یہاں کوئلہ کی کانوں کی بہت قلت ہے۔

عبدالقادر صاحب سے اکثر چیف کورٹ کے کمرۂ وکلاء میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ ایک عرصے سے آپ کے متعلق ہماری باہمی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ میری کم گوئی اب بڑھتی جاتی ہے۔

سخن اے ہمنشیں از من چہ خواہی　　کہ من با خویش دارم گفتگوے

غالبًا اس کیفیت کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ مرتّب)

میرا سینہ یاس انگیز اور غم انگیز خیالات کا خزینہ ہے۔ یہ خیالات میری روح کی تاریک بانبیوں سے سانپ کی طرح نکلے چلے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے میں ایک سپیرا بن جاؤنگا۔ گلیوں میں پھرونگا۔ اور تماش بین لڑکوں کی ایک بھیڑ میرے پیچھے پیچھے ہوگی۔

یہ خیال نہ فرمائیے کہ میں مبتلائے یاس ہو چکا ہوں یقین مانیے میری تیرہ بختی میرے لئے ایک لطف و لذّت کی سرمایہ دار ہے اور میں ان لوگوں پر ہنستا ہوں جو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے ہیں۔

چند روز ہوئے مس Wegenast کا خط آیا تھا۔ جب اُسے جواب لکھونگا تو وہ دن یاد کراؤنگا جب آپ جرمنی میں تھیں۔ (افسوس ہے کہ وہ دن اب ہمیشہ کے لئے گذر گئے) وہ اس وقت اپنے ہی شہر میں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت ہائیڈل برگ استانی صاحبہ کے پاس ان کے پڑھانے کے کام میں اعانت کیلئے پہنچ چکی ہونگی۔ اطمینان فرمائیے کہ وہ بہمہ وجوہ خیریت سے ہے۔ بدخطی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ خیالات کا ایک طوفان ہے کہ

اُمڈا چلا آرہا ہے۔ معلوم نہیں کیا لکھ چکا ہوں۔ خیالات کی بے ربطی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

اُستانی سے متعلق مہتمم زنانہ مدارس انجمن نے ایک درخواست بھیجی ہے۔ ان سے خط وکتابت کے بعد آپ کو اطلاع دونگا لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ اُسے لڑکیوں کے کسی مدرسہ میں جغرافیہ پڑھانا ہوگا یا بمبئی؟

بڑے بھائی جان کا تبادلہ ایک مقام پر جو بمبئی سے سولہ میل ہے، ہوگیا ہے۔ وہ عنقریب وہاں پہنچ جائیں گے۔ آبزرور اخبار کے دو پرچے ارسال خدمت ہیں۔ امید ہے آپ کی دلچسپی کا موجب ہوں گے۔

نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔

مخلص
محمد اقبال

اس خط کے ابتدائی حصے میں جس خواب کا ذکر ہے اس کی کیفیت اقبال نے "سیر فلک" کے نام سے غالباً اس خط کے بعد نظم کی تھی

چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ (مرتب)

کیا بتاؤں تمہیں ارم کیا ہے　　خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش
شاخِ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور　　ہے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جام بدست　　پینے والوں میں شورِ نوشانوش
دُور جنت سے آنکھ نے دیکھا　　ایک تاریک خانہ سرد و خموش
طالعِ قیس و گیسوئے لیلیٰ　　اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر　　کرۂ زمہریر ہو رُو پوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اُسکی　　حیرت انگیز تھا جواب سروش
یہ مقامِ خنک، جہنم ہے　　نار سے نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے　　جن سے لرزاں ہے مردِ عبرت کوش

اہلِ دُنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

(۵۰)――――(۶)

لاہور

۳۰- مارچ ۱۹۱۱ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

ملامت نامہ کے لئے جس سے میں بے حد لذت اندوز ہوا سراپا سپاس ہوں - ایک دوست کی ملامت سے زیادہ لطف کسی دوسری چیز میں نہیں - ہز ہائینس کا دعوت نامہ حیدرآباد ہی میں موصول ہوا تھا - میں نے فوراً بعد آپ کو لکھا تھا کہ جنجیرہ آنا میرے لئے کیوں ممکن نہیں - کل واپسی پر آپ کا لطف انگیز ملامت نامہ موصول ہوا میں نے تو ہز ہائینس کو تار دے دیا تھا کہ میں کالج کی مصروفیت کی وجہ سے جو بارہا میرے لئے ایک بار ثابت ہوئی ہے، شرفِ حاضری سے محروم رہ گیا ہوں -

میں اگر حیدرآباد میں چندے اور ٹھہر جاتا تو مجھے یقین واثق ہے کہ اعلیحضرت حضور نظام مجھے ضرور شرفِ باریابی بخشتے - میں حیدرآباد میں جملہ اکابر سے ملا اور اکثر نے مجھے اپنے ہاں دعوت پہ

بلایا۔ میرا سفر حیدرآباد بلا مقصد نہ تھا۔ عند الملاقات عرض کروں گا۔
خاندانِ حیدری سے ملاقات ہی مقصودِ سفر نہ تھا۔ میں ان سے اس سفر
میں ہی ملا ہوں۔ قبل ازیں ان سے مجھے نیاز حاصل نہ تھا۔ بیگم حیدری
کا کرم ہے کہ انہوں نے ان عنایت آمیز الفاظ میں میرا ذکر فرمایا۔
مجھے ان کا اہلِ عرب کا سا جذبہ بے حد پسند آیا اور ان کے ہاں مجھے
گھر کی سی آسائش میسّر آئی۔ میں ان تمام امور میں جو اُن کی توجہ یا
ہمدردی کا مرکز ہیں، اُن کے فہم و فراست کا مدّاح ہوں۔ حیدری
اور بیگم حیدری ہی کے اثر سے مجھے حیدرآباد کی معاشرت کے بعض
بہترین نمائندوں سے ملاقات کا موقع میسر آیا۔ حیدری صاحب ایک
پابندِ وضع اور وسیع المشرب بزرگ ہیں۔ ان سے ملاقات سے قبل
میری رائے تھی کہ وہ اعداد و شمار سے کام رکھنے والے ایک خشک طبع
انسان ہونگے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ قدرت نے انہیں دردِ
دل اور فکرِ بلند کی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ اُن دونوں کے
لئے میرے دل میں بیحد احترام ہے۔ ایک حقیقی گھر کا نقشہ ایک
تو میں نے آرنلڈ صاحب کے ہاں دیکھا تھا اور دوسرا اُن کے ہاں۔

بیگم حیدری اپنے وجدان کی بدولت ہم مردوں کی نسبت جن کا ہر مایہ بے جان استدلال ہے، بہتر معاملہ فہم ہیں۔

مجھ پر ایک کرم فرمائیے اور نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے معذرت پیش کیجئے۔ حیران ہوں کہ ہز ہائینس کے تار کے جواب میں جو خط میں نے انہیں لکھا، کیا ہو گیا۔ شومئے قسمت سے میں اپنے تعلقِ خاطر کے اظہار و اعلان کا عادی نہیں۔ لیکن اسی عدم اعلان و اظہار کی بدولت میرے تعلق خاطر میں ایک گہرائی و گرمجوشی پائی جاتی ہے۔ مگر دنیا یہ سمجھتی ہے کہ میں ایک بے حس انسان ہوں۔ ازراہِ کرم نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کو یقین دلائیے کہ میں بندۂ فرمان ہوں۔ جب کبھی حالات نے مساعدت کی، میں انتہائی مسرت کے ساتھ جنجیرہ حاضر ہونگا۔

میری تین روز کی رخصتِ اتفاقیہ ۲۸ کو ختم ہوئی۔ میں ۲۴ کو حیدرآباد سے لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ چار دن کا سفر ہے۔ واپسی پر مجھے حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر بھی حاضر ہونا تھا۔ حضرت عالمگیر پر ایک ایسی وجد انگیز نظم لکھونگا کہ اردو

والوں نے آج تک دیکھی نہ ہوگی۔ ۲۹ صبح کو لاہور پہنچا۔ سیدھا کالج گیا اور وہاں سے کچہری۔ آپ خود ہی اندازہ فرمائیے کہ اندریں حالات میرے لئے جنجیرہ کا سفر کیونکر ممکن تھا۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ سے ملاقات کی مسرت سے اسی بنا پر مجھے محروم رہنا پڑا۔

امید ہے یہ تصریح آپ کے لئے کافی ہوگی اور آپ میری طرف سے وکیل کی خدمات انجام دینگی۔ اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کا مجھے خود اعتراف ہے لیکن فراموشگاری اور ریاکاری کا کبھی مرتکب نہیں ہؤا ہوں۔ لیکن شاید جیسا کہ آپ خیال کرتی ہونگی، میں تو خود اپنے لئے بھی ایک معمّہ ہوں۔ ع

لیکن وہ راز ہوں کہ زمانے پہ آشکار ہوں میں

میرے طور طریقے انوکھے ہو سکتے ہیں لیکن اس دنیا میں ایسوں کی کیا کمی ہے جن کے اطوار مجھ سے بھی حیرت انگیز ہیں۔ موقع ہی انسان کی فطرت کا حقیقی معیار ہے۔ اگر کبھی وقت آیا تو آپ کو دکھا دونگا کہ مجھے اپنے احباب سے کس قدر تعلق خاطر ہے اور اُن کے لئے کس قدر دلسوزی مجھ میں پائی جاتی ہے۔ زندگی کیسے پیاری

نہیں۔ لیکن اپنے آپ میں اس قدر قوت ضرور پاتا ہوں کہ جب ضرورت پڑے اسے دوسروں پر نثار کر دوں۔ فراموشگاری و ریاکاری کو اشارۃً و کنایتہً بھی مجھ سے منسوب نہ کیجئے کہ اس سے میری روح کو اذیت ہوتی ہے۔ میری فطرت سے متعلق آپ کی ناواقفیت پر لرز جاتا ہوں۔ کاش میں اپنا باطن آپ پر عیاں کر سکتا تاکہ میری روح پر فراموشگاری کا جو حجاب آپ کو نظر آتا ہے، دُور ہو جاتا۔

اس ناگزیر فروگزاشت کے لئے میری طرف سے ان کی خدمت میں معذرت پیش کیجئے اور مجھے مطلع کیجئے کہ میری تصریح اُن کے نزدیک قابلِ قبول ثابت ہوئی ہے یا نہیں۔

مخلص: محمد اقبال

(۵۱)————(۷)

لاہور

۷۔ اپریل ۱۹۱۱ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

کرم نامہ کے لئے جو آج صبح موصول ہُوا سراپا سپاس ہوں

معلوم نہیں آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ میں نے حیدر آباد سے آپ کو دو خط لکھے۔ ایک آپ کی طرف اطلاع کے موصول ہونے سے پیشتر اور دوسرا آپ کا تار ملنے کے بعد۔ اپنے دوسرے خط میں میں نے تار ملنے کی اطلاع دی اور جنجیرہ نہ آسکنے کی مفصل وجہ بیان کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے شومیِ قسمت سے میرا دوسرا خط شرفِ ملاحظہ سے محروم رہا۔ ورنہ میں یوں ہدفِ ملامتِ بے دریغ نہ بنتا۔ میں یہ سمجھنے سے قطعاً قاصر ہوں کہ یہ نیاز نامہ کیونکر آپ تک نہ پہنچا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میری نیت اور میرے عمل سے متعلق ایک افسوسناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کا تدارک بلا ملاقات ممکن نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے تعلقات کے پیشِ نظر اب ہماری ملاقات اشد لابد ہو چکی ہے۔ لہٰذا میں اس کے لئے ضرور وقت نکالونگا۔ اگرچہ آپ کا خیال ہے کہ اس گذارشِ احوالِ واقعی کے لئے کوئی موقع میسر نہ آسکیگا۔

مجھے امید ہے میں اپنے اخلاص و صداقت کا آپ کو قائل کر سکونگا۔ مجھے آپ کی فطری نیکی پر ایسا ہی اعتماد ہے۔ فی الحال آپ سے صرف یہی درخواست کرونگا کہ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی

خدمت میں میرا جواب پیش کر دیں۔ میری دانست میں وہ آپ کی نسبت عفو و درگذر کی لذت سے زیادہ آشنا ہیں۔

ہمارے درمیان جو غلط فہمی ہوئی ہے اس کے متعدد اسباب ہیں اور یہی اسباب غیر شعوری طور پر آپ کے دل و دماغ پر مسلط ہیں۔ ان اسباب نے میری شومیٔ قسمت سے آپ کو مجھ سے اس حد تک بدظن کر دیا ہے کہ اب آپ مجھ پر دروغ بافی کی تہمت طرازی تک اُتر آئی ہیں اور میرے تعلقات کو خلوص و صداقت سے معرا سمجھتی ہیں۔

میری سیاحت حیدرآباد سے متعلق کوئی نتائج اخذ نہ کیجئے مثلاً یہ کہ اعلیحضرت حضور نظام میری قدر افزائی فرما رہے ہیں۔ اس معاملہ میں خود میری تحریر کا انتظار فرمائیے۔ میں نے اتنا سفر اس زمانے میں جب کہ میرے پاس قطعاً گنجائش نہ تھی صرف ملاقاتوں کے لئے ہی اختیار نہیں کیا تھا۔ حیدرآباد کی سوسائٹی کے متعلق اتنا ہی کہونگا کہ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے

آج صبح تک آپ کا تازہ عنایت نامہ موصول ہونے سے قبل

تو میری رائے تھی کہ حیدرآباد سے واپسی پر آپ کا جو کرمت نامہ موصول ہوا تھا اُس میں خیر اندیشی کی ایک بین السطور جھلک ضرور موجود تھی لیکن اس تازہ گرامی نامہ نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ آپ فی الحقیقت مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ میں نہایت پریشان خاطر ہوں اور جب تک اپنی بریت پیش نہ کروں یہی کیفیت قائم رہیگی۔ یقین مانیے، مجھ میں یا میری نیازمندی میں قطعاً کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ میری پیش گوئی ہے کہ ایک دن خود آپ کو اس کا اعتراف کرنا ہی پڑیگا۔

میں نے کب اعلیحضرت حضور نظام کی طرف سے اپنی قدر افزائی کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے۔ مجھے تو ان باتوں کی مطلق پروا نہیں۔ اگرچہ لوگ بدقسمتی سے مجھے بحیثیت ایک شاعر ہی کے جانتے ہیں لیکن میں شاعر کی حیثیت سے شہرت کا آرزومند نہیں ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے ایک اطالوی شہزادی کا خط آیا تھا جس میں اس نے میری چند نظمیں مع انگریزی ترجمہ کے طلب کی تھیں لیکن شاعری کے لئے میرے دل میں کوئی ولولہ موجود نہیں اور اس کی

ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ جب مجھے ممالکِ غیر سے ایسے شائستہ اشخاص کی قدر دانی میسر آئے تو مجھے ایک ہندوستانی والیِ ریاست کی قدردانی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔

مائی ڈیر مس عطیہ! میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جیے۔ اور نہ ہی مجھ پر ایسا عتاب فرمائیے جو آپ کے خط سے ٹپک رہا ہے آپ نے تمام حقیقت تو سُنی نہیں۔ آپ کو میری اُن مشکلات کا جو میری روش کا باعث ہوئی ہیں کچھ اندازہ ہی نہیں۔ میرے رویہ کی مفصل تشریح ایک طویل خط کی طالب ہے جس کی طوالت ناگواری کی حد تک پہنچ جائیگی۔ اور شاید یہ داستانِ طویل متعدد خطوط کی طالب ہو اور ایک نیاز نامہ اس کا متحمل نہ ہو سکے۔ مزید براں اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ کاغذ کے نقوشِ بے جان سے الفاظ کی آواز زیادہ موثر ہوتی ہے۔ کاغذ جذباتِ انسانی کی حرارت کا کب متحمل ہوتا ہے اور کئی امور ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کا ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں ہوتا۔

میری نیت سے متعلق فیصلہ دینے میں عجلت سے کام نہ لیجئے

آپ مجھے دنیائے عمل میں قدم رکھنے اور بیکار جانے کا الزام دیتی ہیں
شاید اس الزام میں حقیقت کا ایک شمہ ضرور موجود ہے لیکن جب آپ
پر تمام حالات منکشف ہونگے تو آپ کو میرے طرز عمل کے لیئے وجہ
جواز بھی نظر آجائیگی۔ دوسرے اعتبارات سے میں اب تک ایک
خواب دیکھنے والا ہی ہوں اور بقول آپ کے ایک دوست کے جیسا
کہ انہوں نے اُردو ادب پر اپنے ایک مقالہ میں مجھے خطاب دیا
"سہانے خواب دیکھنے والا"۔

ہز ہائینس نے بجا طور پر میرے پتے کے متعلق آپ کو سند سمجھا
اور یہ کیوں نہ کہوں کہ آپ نے ایسی سند ہونے سے انکار کر دیا میں
تو اس سند کے اختیارات تسلیم کرنے کو تیار ہوں اور ہمیشہ تیار رہونگا
بعض لوگ ادھر بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آپ کے متعلق مجھے
بھی ایسی ہی سند سمجھتے ہیں۔ لیکن میری مایوسی کا اندازہ کیجئے، جب
مجھے دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ لاہور آپ کے قدوم میمنت لزوم
سے مشرف ہونے والا ہی نہیں بلکہ ہو چکا ہے۔ آپ نے تو دو حرفی اطلاع
تک سے دریغ فرمایا۔ آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی اور اس سے

میرے قلق میں مزید اضافہ ہوا۔ میری رائے میں ان امور پر گفتگو ملاقات ہی پر اُٹھا رکھنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں قلم روکتا ہوں۔ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ البتہ ضرور نہیں کہ وہ باتیں اسی نوعیت کی ہوں۔ کچھ دیر پہلے مجھے آپ کا اعتماد حاصل تھا اور آپ کو میرا پاسِ خاطر بھی ملحوظ تھا۔ انہی تعلقات کے پیش نظر کم از کم میری ایک درخواست تو قبول فرمائیے۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں میری طرف سے بعد معذرت عرض کیجئے کہ میری مجبوریوں کے پیش نظر میری فروگذاشت سے درگذر فرماویں۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونا خود میرے لئے صد ہزار مسرت کا سرمایہ دار ہوتا۔ زیادہ نہیں کہوں گا۔ مبادا میرے خلوص پر شبہ کیا جائے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آپ میرے خطوط آپ سے متعلق میرے رویہ کے غلط اندازے کی روشنی میں مطالعہ کرتی ہیں اور یہ کوشش نہیں کرتیں کہ آپ کا خیال جس غلط راستہ پہ پڑ چکا ہے، اُسے اُس سے ہٹالیں۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو از راہِ کرم خلوص و دیانت کی خاطر (اور اس جنس میں میری تہی مائگی مسلم اور آپ کا دامن مالا مال ہے) اُس وقت تک انتظار کیجئے کہ حقیقت آپ

پر منکشف ہو جائے بمقتضائے انصاف یہی ہے۔ آپ منصف ضرور ہیں خواہ بعض اوقات ضد ہی کیوں نہ کر بیٹھیں اور آمادہ جفا ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ اُن دنوں کی یاد میں جو بیت چکے ہیں لیکن جن کی یاد میرے قلب میں تازہ ہے۔ نواب صاحب اور بیگم صاحبہ تک میرا پیغام پہنچا دیجئے اور ان سے عرض کیجئے، فروگذاشت کو لاپرواہی پر محمول نہ فرماویں اور نہ ہی یہ خیال فرماویں کہ میرے دل میں ان سے بہتر مقام کسی دوسرے کو میسر آگیا ہے۔

لاہور واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا تو میں نے نواب صاحب کو تار دے دیا کہ کالج سے متعلق مصروفیات کی بنا پر جنجیرہ حاضر نہ ہو سکا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے تار کو شرف ملاحظہ حاصل ہوا یا اس کا بھی وہی حشر ہوا جو میرے حیدرآباد والے خط کا ہوا اور جس کی عدم رسیدگی شدید غلط فہمی کا موجب ہوئی۔

نظم کی نقل کے لئے جو آپ نے ارسال فرمائی ممنون ہوں اس کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے ہر چند حافظہ پر زور دیا، یہ اشعار یاد نہ آئے۔

نظموں کی اشاعت کے لئے مختلف حصص ملک سے تقاضے آرہے ہیں۔ ایک صاحب نے جنہیں آپ سے ملاقات حاصل ہے اپنی خدمات اس سلسلہ میں پیش کی ہیں۔ وہ خود مقدمہ لکھیں گے۔ ہندوستان کے بہترین مطابع میں اسے زیور طبع سے آراستہ کرائینگے اور جرمنی میں اس کی جلد بندھوائیں گے۔ لیکن مجھ میں اب شاعری کے لئے کوئی ولولہ باقی نہیں رہا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ کسی نے میری شاعری کا گلا گھونٹ دیا ہے اور میں محروم تخیل کر دیا گیا ہوں۔

شاید حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد منور کی میں نے حال ہی میں زیارت کی سعادت حاصل کی ہے میری ایک نظم ہوگی جو میرے آخری اشعار ہونگے۔ اس نظم کو لکھنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مکمل ہو گئی تو کافی عرصہ تک زندہ رہیگی۔ آپکی سمع خراشی کافی ہو چکی۔ اب مجھے خط ختم کرنا ہے۔ بارہ بج چکے ہیں۔ دن کے کام کے بعد تھک کر چور ہو چکا ہوں اور اب ایک گونہ اندوہ کے ساتھ لیٹنے جاتا ہوں۔ ملامت کے لئے مکرر شکریہ۔

مخلص: محمد اقبال

۷۔ اپریل ۱۹۱۰ء

(۵۲) ——— (۸)

لاہور

۷ جولائی ۱۹۱۱ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

افسوس ہے آپ کے عنایت نامہ کا جو کچھ عرصہ گذرا موصول ہوا تھا، تاخیر سے جواب دے رہا ہوں۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان دنوں ایک خاص پریشانی میں مبتلا رہا۔ بدنصیبی سایہ کی طرح میرے ساتھ لگی رہی ہے اور اس کی اس درجہ وفاداری کی وجہ سے مجھے اس سے اُنس ہوتا جا رہا ہے۔ تفصیل سے پھر کسی وقت لکھوں گا۔

نظموں کا مجموعہ بخوشی ارسال خدمت کرونگا۔ ایک دوست نے میری نظموں کی ایک بیاض ارسال فرمائی ہے۔ کاتب انہیں خوشخط لکھ رہا ہے۔ جب کتابت ختم ہو چکے گی تو نظرثانی کروں گا۔ جو نظمیں اشاعت کے قابل سمجھی جائیں گی انہیں دوبارہ لکھواؤں گا اور ایک نقل آپ کی خدمت میں بھی پیش کرونگا۔ ممنونیت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کی مسرت ہی میرا صلہ ہے۔ بلکہ

اُس تحسین وستائش کے لیے جس کا میں مستحق نہیں ہوں، میں خود آپ کا احسان مند ہوں۔ لیکن یہ تو ارشاد ہو کہ یہ مجموعہ جو ایک دلِ خونچکاں کے نواہائے غم کے سوا کچھ نہیں، آپ کے کس مصرف کا ہے۔ اُن میں زندہ دلی نام کو بھی نہیں۔ لہذا میں نے انتساب میں کہا ہے۔ ؎

خندہ ہے بہرِ طلسمِ غنچہ تمہیدِ شکست
تو تبسم سے مری کلیوں کو نامحرم سمجھ
درد کے پانی سے ہے سرسبزیٔ کشتِ سخن
فطرتِ شاعر کے آئینے میں جوہر غم سمجھ

اشاعت کے لئے انتخاب میرے لئے ایک مشکل مرحلہ ہے گزشتہ پانچ چھ سال سے میری نظمیں زیادہ تر پرائیویٹ نوعیت کی حامل ہیں اور میں سمجھتا ہوں، پبلک کو انہیں پڑھنے کا حق نہیں بعض تو میں نے تلف کر ڈالی ہیں تاکہ کوئی انہیں چرا کر شائع نہ کرا دے۔ بہرحال دیکھوں گا کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جا سکتا ہے قبلہ والد صاحب نے فرمائش کی ہے کہ حضرت بو علی قلندر کی

مثنوی کے طرز پر ایک فارسی مثنوی لکھوں۔ اس راہ کی مشکلات کے باوجود میں نے کام شروع کر دیا ہے۔ تمہید بند ملاحظہ فرمائیے:۔

نالہ را انداز نو ایجاد کن		بزم را از ہاؤ ہو آباد کن

آتش استی بزم عالم بر فروز		دیگراں را ہم ازیں آتش بسوز

سینہ را سر منزل صد نالہ ساز		اشک خونیں را جگر پر کالہ ساز

پشت پا بر شورش دنیا بزن

موجۂ بیرون ایں دریا بزن

بقیہ اشعار حافظہ سے اتر گئے ہیں۔ امید ہے عدالت سے واپسی پر یاد آجائیں گے۔ دس بج چکے ہیں، مجھے جانا ہوگا۔ ایک تازہ غزل جو ادیب میں شائع ہوئی ہے ملفوف ہے۔

میں نے اپنے دوست سردار امراؤ سنگھ صاحب کو (جنہیں امید ہے آپ جانتی ہونگی) لکھا ہے کہ مجھے اُن اشعار کا انگریزی ترجمہ بھیجیں جو میں نے شہزادی دلیپ سنگھ کی ایک سہیلی مس گوٹسمن کے لئے اس وقت لکھے تھے جب انہوں نے شالامار باغ سے ایک خوبصورت پھول توڑ کر مجھے پیش کیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اصل

میرے پاس محفوظ نہیں لیکن آپ کے لئے تلاش ضرور کرونگا۔
نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کی خدمت میں نیاز۔

مخلص: محمد اقبال

(۵۳)――――(۹)

لاہور
۱۴۔ دسمبر ۱۹۱۱ء

ڈیر مس فیضی!

ابھی ابھی آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ مسٹر ینگ ہسبنڈ صاحبہ کو اگر آپ کی رائے میں وہ اردو نظم سمجھنے سے قاصر ہیں تو میری نظم نہ دکھائیے۔ یہ میری تازہ غیر مطبوعہ نظم ہے چند مزید اشعار جو پرسوں صبح چار بجے موزوں ہو گئے تھے درج کر دیے گئے ہیں۔ اس بحر میں پہلے میں نے کبھی نہیں لکھا۔ اس نظم میں موسیقیت کی فراوانی ہے۔ کاش میں خود آپ کو اور بیگم صاحبہ کو ترنم سے سنا سکتا۔

مخلص: محمد اقبال

نظم محولہ بالا حسب ذیل ہے :-

زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش
جس کے ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
بربطِ کون و مکاں جس کی خموشی پر نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار
محشرستانِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت
اور منت کشِ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت
آہ! امید محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ اس ساز نے مضراب کی کھائی نہ کبھی
مگر آتی ہے نسیم چمن طور کبھی
سمت گردوں سے ہوائے نفس حور کبھی
چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تار حیات
جس سے ہوتی ہے رہا روح گرفتار حیات
نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اٹھتی ہے

جس طرح رفعتِ شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

مسز نیڈو صاحبہ کی خدمت میں سلام کہئے اور اُن کو یہ اشعار دکھائیے
میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ مس عطیہ آپ کو دکھائیں گی۔

اقبال

(۱۰)———(۵۴)

لاہور،

۱۳۔ دسمبر (سن نہیں لکھا گیا)

مائی ڈیر مس عطیہ!

ہندوؤں نے بنگال کی دو حصّوں (ہندو بنگال اور مسلم بنگال) میں تقسیم کو حکومت کی طرف سے بنگالی قومیت کے قلب پر ایک ضرب کاری سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن حکومت نے دہلی کو دارالسلطنت قرار دے کر اپنے فیصلے کی خود ہی پوری ہوشیاری سے تنسیخ بھی کر دی ہے بنگالی سمجھتا ہے جیت اُس کی رہی۔ لیکن اُسے نظر نہیں آتا کہ اس کی اہمیت گھٹا کر صفر کر دی گئی ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق دو شعر ہو گئے ہیں:۔

مندمل زخم دل بنگال آخر ہو گیا
وہ جو تھی پہلے تمیز کافر و مومن گئی
تاج شاہی آج کلکتے سے دہلی آگیا
مل گئی بابو کو جوتی اور پگڑی چھن گئی

محمد اقبال

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام

(۵۵) ——— (۱)

(یہ خط اس وقت لکھا گیا جب مکتوب الیہ اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔اے کے متعلم تھے)

لاہور　　(انگریزی)

۱۴۔جنوری ۱۹۱۶ء

ڈیر مسٹر محمد اکبر!

عنایت نامہ کا شکریہ۔ آپ کی نظم جو ملفوف تھی، میں نے نہایت دلچسپی سے پڑھی۔ آپ نے اپنے عنایت نامہ اور نظم میں جس قدر میری تعریف و توصیف فرمائی ہے اس کے لئے آپ کا نہایت شکرگزار ہوں، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس تحسین و ستائش کا سزاوار نہیں۔ آپ کی نظم سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ نے مشق جاری رکھی اور غور و فکر کی عادت ڈالی تو ایک روز آپ کو اس میدان میں بہت

بڑی کامیابی نصیب ہوگی۔ شعر کا منبع و ماخذ شاعر کا دماغ نہیں۔ اس کی روح ہے۔ اگرچہ تخیل کی بے پایاں وسعتوں سے شاعر کو محفوظ رکھنے کے لئے دماغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(۵۶)——————(۲)

(یہ مکتوب بحرین کے پتہ پر لکھا گیا جہاں مکتوب الیہ اس زمانے میں ملازم تھے)

لاہور

۱۰-۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جسے پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ یہ ایک نادر موقع مل گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس سے بڑا فائدہ اُٹھائیں گے۔ واپسی ہندوستان پر بھی یہ تجربہ آپ کے لئے ازبس مفید ہوگا۔ عربی زبان سیکھنے کے لئے میری رائے ناقص میں مصر بیروت سے بہتر ہے۔ فلسفے کی مندرجۂ ذیل کتب فی الحال پڑھئے

پھر اور لکھ دونگا۔

(نوٹ۔ اس کے بعد چار انگریزی کتابوں کے نام درج ہیں)

یہ سب کتابیں غالباً لاہور سے مل جائینگی۔ راما کرشنا کو لکھنا چاہیئے نہیں تو وہ انگلستان سے منگوا دیگا۔

فوٹو کی نسبت یہ عرض ہے کہ اس وقت میرا کوئی فوٹو میرے پاس موجود نہیں۔ ہاں بنواؤنگا تو آپ کی خدمت میں ایک کاپی ضرور مرسل ہوگی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ شیرازی صاحب سے بھی میرا سلام کہئے۔ امید کہ مقتضیات زمانہ سے اُدھر کے لوگ باخبر ہوتے جائینگے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ایام لائے۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(۵۷)————(۳)

(یہ خط بھی بحرین کے پتہ پر ہی لکھا گیا)

لاہور ۴۔ اگست ۱۹۲۰ء

مکرم بندہ السلام علیکم۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ

آپ ایران جانے والے ہیں۔ شیراز فارسیوں کے کلچر کا مرکز ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہاں کا قیام آپ کے لئے بہت مفید ہوگا۔ حال کی ایرانی شاعری میں کچھ نہیں۔ البتہ اس قوم کی بیداری کے شواہد کے طور پر اسے ضرور پڑھنا چاہیئے۔ علاوہ اس کے زبان کی تحصیل کے لئے بھی مفید ہے۔ ایرانی شاعری کا تو قاآنی پر خاتمہ ہو گیا۔ خالص فلسفہ میں اگر کتابیں آپ کو مل جائیں تو انہیں جمع کرتے جایئے۔ قلمی ہوں یا مطبوعہ۔ تصوف کی کتب کا جمع کرنا بھی مفید ہوگا۔ حال کے ایرانی حکماء میں ہادی سبزواری مشہور ہیں۔ ان کی کتاب اسرار الحکم میری نظر سے گزری ہے محض افلاطونیت کا چربہ ہے اور بس۔ حال کے دیگر حکماء میں سے اگر کسی کی تصنیفات آپ کے ہاتھ آ جائیں تو غنیمت ہے۔ فلسفے اور تصوف کی کتابوں پر اگر خرچ ہو تو پرواہ نہ کیجئے۔ اس میں مجھے بھی شریک سمجھئے۔ البتہ کتاب خریدنے میں احتیاط لازم ہے۔ کیونکہ نوے فی صدی کتابوں میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لوگ نام کی وجہ سے خرید لیتے ہیں۔

ایک کتاب غالباً "لطائف غیبی" نام ایران میں شائع ہوئی تھی

پروفیسر براؤن نے لٹریری ہسٹری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اُن اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے جو شیعہ حضرات نے وقتاً فوقتاً خواجہ حافظ رح پر کیئے ہیں۔ اگر کہیں سے دستیاب ہو جائے تو میرے لیئے خرید کرکے بھیج دیجئے۔

یونانیوں کے فلسفے پر حال ہی میں ایک نہایت عمدہ چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی ہے:-

A Critical History of Greek Philosophy

By W. T. Stace

اسے ضرور پڑھیئے میکمیلن سے ملے گی۔ اس سے زیادہ صاف اور واضح کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گذری۔ بعد کا یورپین فلسفہ سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملیگی۔

اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس وقت پریس میں ہے غالباً سردیوں میں شائع ہوگا۔ پروفیسر نکلسن کا خط آیا تھا۔ انہوں نے وہاں کی لٹریری سوسائٹیوں میں اس کتاب کے مضمون پر متعدد لیکچر دئیے ہیں جن کی وجہ سے اس نئے فلسفے کا وہاں بڑا چرچا ہے۔

اب میں گوئٹے کے "دیوان" کے جواب میں ایک دیوان فارسی لکھ رہا ہوں۔ جس کا ایک تہائی حصہ لکھ چکا ہوں۔ اسرارِ خودی کا ترجمہ یورپ کی اور زبانوں میں بھی ہو جائے تو تعجب نہیں۔ میں نے سنا ہے فرانس میں بھی اس کا چرچا ہے۔ یہ غالباً پروفیسر نکلسن کے لیکچروں کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوان کا ترجمہ بھی ضرور ہو گا۔ کیونکہ یورپ کی دماغی زندگی کے ہر پہلو پر اس میں نظر ڈالی گئی ہے اور مغرب کے سرد خیالات اور افکار میں کسی قدر حرارت ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ ہندوستان اور بالخصوص پنجاب سے بیشمار لوگ (مسلمان) افغانستان کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ اس وقت تک پندرہ بیس ہزار آدمی (اور ممکن ہے کہ زیادہ) جا چکا ہو گا۔

محمد اقبال

(۵۸)————(۴)

لاہور، ۳۰۔ جنوری سنہ۲۲ء

مخدومی۔ السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں اس سے پہلے بھی آپ کا ایک نہایت دلچسپ خط ملا تھا مگر میری صحت کچھ عرصے سے خراب ہے۔ جواب لکھنے سے قاصر رہا۔ عصر آزادی میں آپ کی دونوں نظمیں دلاویز ہیں۔ انشاءاللہ آپ کی زبان شستہ ہو جائیگی اور ایران کا قیام آپ کی شاعری کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ ملّا صدرالدین شیرازی کی تفسیر قرآن کے لئے ممنون ہوں۔ یہ چیز عجیب و غریب ہوگی۔ امید کہ چند روز تک یہاں پہنچ جائیگی۔ میں حال میں ان کی کتاب "ملّا صدرا" کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اگر وقت نے مساعدت کی تو ان کے خیالات پر کچھ لکھونگا بھی۔

عرصے سے میرا ارادہ ایک انٹرنس کورس فارسی ترتیب دینے کا ہے۔ جدید فارسی نظم و نثر کے کچھ عمدہ اور آسان نمونے مل جائیں تو

یہاں کے طلبا کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ اگر آپ کو چند ایسی کتب نظم و نثر مل جائیں تو میرے لئے خرید کر لیجئے۔ نظمیں مشہور اساتذہ حال کی ہوں اور سلیس اور آسان طرزِ جدید میں لکھی گئی ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔ پولیٹکل نظموں کی ضرورت نہیں۔ ایک کتاب "سفینۂ طالبی" سنا ہے بہت اچھی ہے مگر ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوتی یہ کتاب یا کوئی اور کتاب اسی قسم کی مل جائے تو خوب ہے۔ غرض کہ آپ یہاں کے انٹرنس کے طلبا کی ضروریات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ فارسی کے ذریعہ سے بھی جدید خیالات و احساسات طلبا ہند تک پہنچیں۔ انگریزی کورسوں میں مضامین کا تنوع [illegible] دلچسپ ہوتا ہے۔ انتخاب میں وہ بھی زیرِ نظر رہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہاں سے کوئی تازہ [illegible] [illegible] قیمتوں کا روز افزوں ہے اور گورنمنٹ [illegible] [illegible] زمانہ حال کی [illegible] میں ہیجان و اضطراب ہے۔ معلوم نہیں [illegible] زمانے میں کیا کیا اسرار ہیں جو ظہور پذیر ہوں گے۔

فلسفہ کی کتابوں کے نام دوسرے صفحے پر لکھتا ہوں [illegible]

کی فی الحال آپ کو ضرورت نہیں ہے۔

{اس کے بعد انگریزی میں فلسفہ کی تین کتابوں کے نام دئیے ہیں
(مرتّب)}

مخلص

محمد اقبال لاہور

(۵۹)————(۵)

ڈیر مسٹر منیر۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

اخبار استخر جس میں آپ کی نظم شائع ہوئی ملاحظہ سے گزرا۔ آپ کی زبان صفائی میں بہت ترقی کر رہی ہے۔ اللّٰھم زد فزد! خیالات کے لئے طبیعت پر زور دینا چاہیئے مطالب جلیلہ کی مشرقی نظم کو بہت ضرورت ہے۔ حکیم سنائی اور مولانا روم کو زیر نظر رکھنا چاہیئے اس قسم کے لوگ اقوام و ملل کی زندگی کا اصلی راز ہیں۔ اگر یہی لوگ غلط راستے پر پڑ جائیں تو اقوام کی تمات بھی انہی کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مولانا روم کے تو اسرار و حقائق زندہ جاوید ہیں۔ حکیم سنائی

سے طرزِ ادا سیکھنا چاہئیے۔ کیونکہ مطالبِ عالیہ کے ادا کرنے میں اُن
سے بڑھ کر کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ایرانی اخبارات میں اس قسم کی نظمیں شائع کیا کیجئے۔ مغربی
اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ جائینگی۔ اور اگر
ان کے اختلافات کا تصفیہ نہ ہو سکا تو اللہ حافظ ہے۔ مضامینِ اتحاد
کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہوگا اور دُنیا پھر
ایک دفعہ جلالِ اسلامی کا نظارہ دیکھیگی۔ ہندوستان میں بظاہر مہاتما گاندھی
کی گرفتاری کے بعد امن وسکون ہے مگر یورپ کا ہیجان حیرت انگیز ہے۔
اتنے عرصے میں اتنا انقلاب تاریخِ امم میں بے نظیر ہے۔ ہم لوگ جو
انقلاب سے خود متاثر ہونے والے ہیں۔ اس کی عظمت اور اہمیت
کو اس قدر محسوس نہیں کرتے۔ آئندہ نسلیں اس کی تاریخ پڑھ کر
حیرت میں ڈوب جائیں گی۔ ایشیا کی مسلمان اقوام کی حرکت بھی کم
حیرت انگیز نہیں۔ کیا عجب کہ اس نئی بیداری کو ایک نظر دیکھنے
کے لئے میں بھی جولائی یا اگست کے مہینے میں ایران جا نکلوں
بیرسے ایک [illegible] سردار جوگندر سنگھ ایڈیٹر ایسٹ اینڈ ویسٹ

اصرار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئٹے کے رستے ایران چلوں۔ اگر ممکن ہوسکا تو ضرور اُن کا ساتھ دونگا۔ اس دفعہ مجھے درد نقرس (گوٹ) کی وجہ سے سخت تکلیف رہی۔ کامل دو ماہ چارپائی سے اُٹھ نہیں سکا چونکہ میری فطرت کو ایران سے ایک مناسبت خاص ہے۔ ممکن ہے وہاں کی آب و ہوا کا اچھا اثر مجھ پہ ہو۔

"سفینہ طالبی" میں نے یہاں تلاش کی۔ افسوس نہ مل سکی۔ آپ کو نثر کی جو عمدہ کتب مل سکیں بھیج دیجیے۔ نظم نہ ملے تو ہرج نہیں، نثر کی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر حکایات کی کوئی عمدہ کتاب ہو تو وہ بھی ارسال کیجیے یعنی ایسی کتاب جس میں چھوٹی چھوٹی حکایات لطیفہ اور معنی خیز ہوں۔

ملا صدرا کی تفسیر پہنچ گئی تھی۔ بعض مقامات تو خوب ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی اس کا پایہ تفاسیر میں بہت کم ہے۔

اُردو نظم جو زیادہ بڑی ہے حال میں لکھی ہے ارسال خدمت کرونگا۔ گوئٹے کے دیوان کے جواب میں "پیامِ مشرق" میں نے لکھی ہے جو قریب الاختتام ہے۔ امید ہے اس سال کے اختتام

سے پہلے شائع ہو جائیگا۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ فارسی کتب جہاں تک ممکن ہو جلد ارسال کیجئے۔

مخلص

محمد اقبال

(۶۰)————(۶)

(یہ مکتوب بغداد کے پتہ پر لکھا گیا ہے)

لاہور، ۲- فروری ۲۴ء

مخدومی۔ السلام علیکم

خط آپ کا ابھی ملا ہے جسے پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ کو اسلامی ممالک کے سفر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور ہوگا۔ اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص مسلمانے نمی بینم نے تو مجھے رلا دیا۔ اللّٰہم زد فزد! میں نے ایک عرصہ ہوا آپ کو بغداد کے پتے پر خط لکھا تھا یا شاید شیراز کے پتے پر۔ امید نہیں کہ وہ خط آپ تک پہنچا ہو۔ کیونکہ اس خط میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں

اس عرصے میں مَیں نے ایک کتاب 'پیام مشرق' نام لکھ کر شائع کی ہے چونکہ آپ کا مستقل پتہ معلوم نہ تھا اور آپ نے خط اُس وقت لکھا۔ جب آپ طہران سے رخصت ہونے والے تھے۔ اس واسطے میں نے احتیاطاً اُسے نہ بھیجا۔ اس خیال سے کہ ضائع نہ ہو جائے۔ اب اُس کی پہلی ایڈیشن ختم ہو چکی ہے، دوسری ایڈیشن جس میں بہت سا اضافہ ہے چند روز تک شائع ہو جائیگی۔ جہاں آپ کا مستقل قیام کچھ عرصہ کے لئے ہو مطلع فرمائیے تاکہ میں وہ کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کرسکوں۔ یہ کتاب گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ دُنیا کے دل میں انقلاب ہے۔ اس واسطے قلوب انسانی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ انشاء اللہ قریب آرہا ہے۔ والسلام

مخلص۔ محمد اقبال، لاہور

۲۔ فروری ۲۴ء

(۶۱)――――(۷)

{یہ مکتوب گورنمنٹ کالج ملتان کے پتہ پر لکھا گیا جہاں مکتوب الیہ پروفیسری کے منصب پر فائز ہو چکے تھے}

لاہور

۱۷۔ مارچ ۲۵ء

ڈیر مسٹر اکبر منیر!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔

زندگی کا راز یہی ہے جہاں رہو، جس حالت میں رہو، خوش اور مطمئن رہو۔ دنیا میں بہت کم آدمی ہیں جو اپنی زندگی کے مختلف احوال و مقاصد سے آگاہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہم سب لوگ اپنی زندگی کا محض ایک خارجی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اندرونی علل و اسباب و نتائج ہماری نظر سے مخفی رہتے ہیں۔ ہاں! لاہور میں بہار کا آغاز ہے مگر

دلم بہ ہیچ تسلی نمی شود حاذق!
بہار دیدم و گل دیدم و خزاں دیدم

ماہِ نو ضرور مرتب کیجئے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ زبورِ عجم کے لئے ایک مدت درکار ہوگی۔ بہت سے اور مشاغل ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اگر اسی کام میں سراپا محو ہو سکتا تو اب تک ختم ہو گیا ہوتا۔ والسلام

محمد اقبال

(۶۲) ———— (۸)

لاہور (انگریزی)

۹۔ نومبر ۱۹۲۸ء

مائی ڈیر مسٹر منیر!

آپ نے اپنے بھائی کی وساطت سے نظموں کا جو مجموعہ ارسال فرمایا۔ اس کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ میں نے اس مجموعہ کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ آپ کا قیامِ ایران یقیناً آپ کے لئے نہایت سود مند ثابت ہوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوت اور جلا آگئی ہے۔ مجھے امید ہے ماہِ نو، جلد بدرِ کامل میں مبدل ہو جائیگا۔

آپ کا: محمد اقبال

(۶۳)————(۹)

لاہور

مارچ ۳۳ء

ڈیر اکبر منیر!

آپ کا خط ابھی ملا۔ جس کے لئے شکرگزار ہوں۔

میں ۱۱۔ مارچ کی شام یہاں سے دہلی جاؤنگا۔ غالباً ۱۴۔ مارچ کی صبح واپس آؤنگا۔ ۱۱۔ مارچ کے دن کسی وقت آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

محمد اقبال

شاد اقبال

اقبال کے خطوط کے اوّلین مجموعہ کی اشاعت کا شرف و فخر جناب محی الدین صاحب قادری پروفیسر ادب اُردو جامعہ عثمانیہ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ انہوں نے اقبال نامہ یعنی پیش نظر مجموعہ کی جلد اوّل کی اشاعت سے قبل شاد اقبال کے نام سے اقبال اور مہاراجہ سر کشن پرشاد (حیدرآباد) کی باہمی خط وکتابت جو متعدد اعتبارات سے اہم ہے شائع کردی۔ میں جملہ عقیدتمندان اقبال کی طرف ان کی خدمت میں دلی تشکر کا ہدیہ پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے "شاد اقبال" کے اس انتخاب کی اقبال نامہ حصۂ دوم میں شمولیت کی بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ قارئین کرام اور دوستداران اقبال "شاد اقبال" کے مطالعہ سے اقبال سے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

(عطاء اللہ مرتب اقبالنامہ)

سرکشن پرشاد کے نام

(۶۴)————(۱)

لاہور یکم نومبر ۱۶ء

سرکار والا تبار! تسلیم مع التعظیم۔

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گزار ہوں کہ اس دُور افتادہ دعاگو کو بالالتزام یاد فرماتے ہیں۔

لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا۔ اگر سیاحت کے مقصد سے گھر سے باہر نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہنچے۔ مقصد محض آرام تھا۔ لاہور کورٹ میں تعطیل تھی۔ کچہری بند تھی۔ اور میں چاہتا تھا کہ کسی جگہ جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں کے لئے آرام کروں۔ پہاڑ جانے کے لئے سامان موجود تھا مگر صرف اسی قدر کہ تنہا جا سکوں۔ تنہا جا کر ایک پُر فضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا

بعید از مروّت معلوم ہُوا۔ اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا۔ جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں مگر آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی۔

اسی تنہائی میں مثنوی اسرارِ خودی کے حصۂ دوئم کا کچھ حصہ لکھا گیا اور ایک نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے جس کا نام ہوگا "اقلیمِ خاموشاں"۔ یہ نظم اُردو میں ہوگی اور اس کا مقصد یہ دکھانا ہوگا کہ مُردہ قومیں دُنیا میں کیا کرتی ہیں۔ ان کے عام حالات و جذبات و خیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ سرکار کے لئے ہمیشہ دست بدعا ہوں۔ حیدر آباد کے اربابِ حل و عقد خوابیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور حقیقتِ مضمرہ پر اُن کی آنکھیں کھول دے۔ ایسا ہو تو آپ کی قدر ان کو معلوم ہوگی اور داغؔ مرحوم کا یہ قول صادق آئیگا :-

تو جیہ کو چاہے اور مجھے اجتناب ہو

کیا چاہئے کہ بائی کا دیوان سرکار کے کتب خانے میں قلمی یا

طبع شدہ موجود ہے؟

خادم دیرینہ
محمد اقبال لاہور

(۶۵) ———— (۲)

لاہور
۳۱۔ اکتوبر ۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لئے میں سرکار کا سپاس گزار ہوں۔
راجہ گوبند پرشاد مرحوم و مغفور کی خبرِ رحلت معلوم کرکے افسوس ہوا۔
اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ کتنے
رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دنیا سے ناشاد جائے۔
لیکن گوبند پرشاد باقی ہے اور یہ جدائی محض عارضی ہے۔

پستیٔ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں۔ سردی آ رہی ہے۔ صبح چار بجے لکھی

تین بجے اُٹھتا ہوں پھر اس کے بعد نہیں سوتا۔ سوائے اس کے کہ کبھی مصلّے پر اونگھ جاؤں۔ یہ موسم نہایت خوشگوار ہے اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لئے موزوں۔ اگر ناگوارِ خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدمبوسی کا موقع دیجئے۔ یہاں کے دلوں پر آپ کا نقش ابھی تک موجود ہے:

کبھی اس راہ سے شاید سواری تیری گذری ہے
کہ میرے دل میں نقشِ پا ترے توسن کے نکلے ہیں

اقلیمِ خاموشاں تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں مقصود اقلیمِ خاموشاں سے محشر ہے نہ کہ دیدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے

طالبِ دیدار محشر کا تمنّائی ہُوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہُوا

زیادہ کیا عرض کروں کہ سرکار سے دُور رہوں اور جیتا ہوں

مخلص محمد اقبال

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصہ سے ایک بہت

بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں۔ یعنی سرکار علامہ شیخ عبد العلی طہرانی معلوم نہیں کبھی حیدرآباد میں بھی ان کا گزر ہوا یا نہیں۔ عالم متبحر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں۔ اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو کہ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے۔

(۶۶)————(۳۷)

۶- دسمبر ۱۶ء

سرکار والا تبار!

نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ اخبار میں خود اعلام سے پہلے ہی سرکار کی علالت کی خبر نظر سے گزری تھی مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سرکار ابھی تک کمزور ہیں۔ اس واسطے کل عریضہ لکھا تو دو پہر آداب کے پوچھنے کو لکھا گیا۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ معلوم نہیں بمبئی میں آپ کا قیام کب تک رہیگا۔ دیار پیغمبر کی زیارت ضرور کیجئے میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا میں اڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ قضائے آسمانی

سے یہ آواز آ رہی تھی۔

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سُنا تھا
ہم آنکھوں سے وہ زیر و بم دیکھتے ہیں

اس شعر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سرکار کو اس دربارِ فلک آثار میں بہت گزر ہے۔ امید کہ اس کے مفہوم پر روشنی ڈالیں گے۔ بہرحال میں آپ کے سفرِ پنجاب کے امکان سے فی الحال خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور نہالِ آرزو بار آور ہو۔ جس اثر کو سرکار ڈھونڈتے ہیں اس کے متعلق آپ کا خادمِ دیرینہ عرض کرتا ہے

دمِ طوفِ کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ تری حدیثِ گداز میں

مگر امید کیفیتِ مستقل اور ناامیدی عارضی ہے۔ اس کا ثبوت بھی انشاء اللہ مل جائیگا مطمئن رہئے۔ آرزو شرط ہے

تا امید از آرزوئے پیہم است
ناامیدی زندگانی را سم است

غم و اضمحلال کا آپ کے دربار میں کیا کام ہے۔ ان کو رخصت

کا اشارہ فرمائیے۔

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر — از نبی تعلیم لا تحزن بگیر
ایں سبق صدیق را صدیق کرد — سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خدا داری ز غم آزاد شو — از خیالِ بیش و کم آزاد شو

خادمِ دیرینہ: محمد اقبال

(۱۳) ———— (۴۷)

لاہور ۵۔ جنوری ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم مع التعظیم

محبت نامہ مل گیا ہے جس کے لئے اقبال سراپا سپاس ہے۔ الحمد للہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے، اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے اور ان شاء اللہ رہیگا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے۔ اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ و اسنیٰ ہے۔ دل تو بہت عرصہ سے آرزو مندِ آستانہ بوسی ہے۔ مگر کیا کیا جائے، ایک مجنوں اور سو زنجیریں۔ تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفرِ حیدرآباد کا کرلیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت

نہ ملی خاموش رہا۔ اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں۔ کئی باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں۔ گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدرآباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ حافظ...... علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصہ سے جانتا ہوں وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں میں ان کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ ایک دفعہ بنگلور میں ان کی وجہ سے بہت فساد ہونے کو تھا۔ ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں ان کے حالات بلا رُو رعایت لکھوں تاکہ فساد رفع ہو میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا۔ الحمدللہ کہ وہ فساد رفع ہو گیا۔ اور حافظ صاحب مع اپنے مریدوں کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں۔ بے اعتنائی ان لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں

اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں اس طرزِ عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں)۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ اُن کی سمجھ اور گرفت سے بالاتر ہیں۔ عنقائے بلند آشیاں کس کے قابو میں آسکتا ہے۔ قرین یہ ہے کہ آپ سب سے مستغنی ہو جائیں زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

خادم کہن

محمد اقبال

(۵)————(۴۸)

لاہور

۷ - مارچ سنہ ۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم مع التعظیم

والا نامہ پرسوں مل گیا تھا۔ جس میں سرکار دولت مدار کے حیدر آباد واپس جانے کی خبر تھی۔ لہٰذا یہ عریضہ حیدر آباد ہی کے پتہ پر لکھتا ہوں کہ سرکار کل بمبئی سے رخصت ہو جائیں گے۔

فارسی غزل کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کا والا نامہ یار دہم

میں ملا تھا۔ یہاں کے وکالت پیشہ احباب میں بعض ذوقِ سخن رکھتے ہیں اہلِ پنجاب کے دلوں پر آپ کا نقش تو پہلے سے ہے۔ فارسی غزل "کیستم من" جب پڑھی گئی تو ارباب ذوق سرمست ہو گئے۔ واقعی لاجواب غزل ہے۔ انہیں باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔ کیا خوب ہو اگر سرکارِ عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروز اہلِ بصیرت ہو۔

مجھے جو خلوص سرکار سے ہے اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمدللہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں اور نہ انشاء اللہ ہو گا۔ انسانی قلب کے لئے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ ہمیشہ خائب اپنا مخلص پائیں گے۔ اللہ نے اس کو نگاہ بلند اور دلِ غیور عطا

کیا ہے۔ جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے۔
اللہ اکبر سے دو چار روز ہوئے کہ ملاقات ہوئی تھی، آپ کا تذکرہ
بھی ہوا تھا۔ اِیّاکَ نَستَعِین کا دور دورہ پھر ہو جائیگا مطمئن رہیئے۔
آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوب نے بہت
لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ کسی روز اُن کی خدمت میں بھی جانے کا
قصد ہے۔ شاد کا پیغام بھی پہنچاؤں گا۔

قید سے گھبرانا کیا! اس کی شدت لطف آزادی کو دوبالا کردیگی
عرصہ ہوا میں نے پھول سے خطاب کیا تھا:۔

اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

تصویریں ابھی کوئی پاس نہیں۔ نئی بنوا کر سرکار کی خدمت میں حاضر
کرونگا۔ لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے۔ ذہین و طباع ہے مگر کھیل کود
کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آجکل اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں ہدید

کرادوں یا اس کی شادی کردوں کہ اُس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے۔

نازتا نازاست کم خیزد نیاز

نازہا سازد بہم خیزد نیاز

اس کی تصویر بھی انشاء اللہ حاضر ہو گی۔ والسلام

مخلص قدیم

محمد اقبال

(۶۹)——(۶)

لاہور

۱۰-اپریل ۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم

یہ سن کر کمال مسرت ہوئی کہ سرکار والا حیدرآباد تشریف لے آئے۔ اقبال پھر مبارکباد عرض کرتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مبارک اور کئی مبارکبادوں کا پیش خیمہ ہو!

سرکار نے بجا ارشاد فرمایا کہ انسان تدبیر کا مجاز اور اس پر مطلقاً قادر ہے۔ مگر اس معاملے میں جس قدر تدابیر اقبال کے ذہن میں

آسکتی ہیں ان سب کا مرکز ایک وجود ہے جس کا نام گرامی شاد ہے۔ تدبیر اور تقدیر اسی نام میں مخفی ہیں۔ پھر اقبال انشاء اللہ العزیز ہر حال میں شاد ہے۔ لاہور میں ہوں یا حیدر آباد میں۔ ع

اگر نزدیک دورم غبار آں سرکویم

(بیدل)

یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دور دور سے مبارکباد کے تار بھی اڑ گئے۔ اور اضلاع پنجاب کے اہل مقدمات جن کے مقدمات میرے سپرد ہیں۔ ان کو گونہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ کل پنجاب کی مشہور انجمن حمایت اسلام لاہور جو سرکار کی فیاضی سے بھی مستفیض ہو چکی ہے اپنا سالانہ اجلاس کر رہی ہے۔ بھوپال کے پرنس حمید اللہ خاں صدارت کے لئے آئے ہیں ان کا جلوس سنا بڑی دھوم دھام سے نکلیگا۔ بازاروں کی آرائش ہو رہی ہے کیا دلکش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے:

بنوسے کہ دراں سفرہ شد جلوہ دیدار　　کو زمین غبارے ست کہ از بال مگس ریخت

مخلص قدیم محمد اقبال

(۵۵) ———— (۶)

لاہور

۱۹۔ مئی ۱۹۱۷ء

سرکار والا تبار تسلیم۔ مع آداب و تعظیم

سرکار کا والا نامہ ملا جس سے اطمینان ہوا۔ یہ خط میرے اُس عریضے کے جواب میں ہے جس میں مَیں نے سرکار کی علالتِ طبع کے متعلق استفسار کیا تھا۔ افسوس کہ ۱۴۔ اپریل کا لکھا ہوا خط مجھ تک نہ پہنچا۔ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔

گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

بہرحال یہ معلوم کر کے کمال مسرت ہوئی کہ سرکار کا مزاج اب خدا کے فضل و کرم سے رو بصحت ہے۔ آجکل لاہور میں بھی موسم عجیب و غریب ہے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں لُو کی شدت و حرارت ناقابلِ برداشت ہوا کرتی ہے مگر آجکل یہ حال ہے کہ قریباً ہر روز آسمان ابر آلود رہتا ہے۔ اور صبح کے وقت خاصی سردی ہوتی ہے۔ مغرب سے آفتاب نکلنے کا ہی مفہوم ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و اسقام سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے کہ آپ کی ذات نوعِ انسان کے لئے سرچشمۂ فیوض و برکات ہے کل مولٰنا اکبر کا خط آیا تھا۔ اس خط میں ایک لطیف مطلع انہوں نے لکھا ہے :-

زباں سے قلب پر صوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

میں فارسی مثنوی کے دوسرے حصے کی تکمیل میں مصروف ہوں اس کا نام "رموزِ بے خودی" ہوگا۔ یونیورسٹی امتحانوں کے کاغذات سے فرصت ہوگئی ہے۔ امید کہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ حال میں ایک اردو غزل لکھی تھی۔ اس کے دو ایک شعر ملاحظہ کے لئے لکھتا ہوں :

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زناریِ بُت خانۂ ایّام ابھی

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ سرکار کا مزاج مبارک بخیر و عافیت ہوگا۔

مخلص قدیم
محمد اقبال

(۱۷)————(۸)

لاہور
۳۰۔ جون ۱۷ء

سرکار والا تسلیم

نوازش نامہ مل گیا۔ فارسی مثنوی یا قصیدہ خوب لکھا گیا ہے میں نے اُسے شروع سے آخر تک پڑھا۔ چونکہ سرکار نے ترمیم و تنسیخ کے لیئے ارشاد فرمایا تھا۔ اس واسطے کسی کسی جگہ ترمیم کی جرأت کی ہے طوالت کے خیال سے وجوہ ترمیم نہیں لکھے۔ سرکار پر خود بخود روشن ہوجائیگا چند اشعار کے گرد لکیر کھینچ دی ہے۔ اُن کی اشاعت میرے خیال

میں مناسب نہیں۔ کچھ اس وجہ سے کہ

بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی شانِ صداقت اس سے ارفع و اعلےٰ ہے کہ آپ اپنی صفائی کے گواہ پیش کریں۔ اہل نظر کو یہ اشعار کھٹکیں گے۔ آئندہ سرکار کو اختیار ہے کہ ان کی اشاعت ہو یا نہ ہو۔ یہ اشعار صفحہ دس گیارہ پر ہیں۔ سرکار کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے تقریظ کے طور پر چند اشعار اس قصیدے کی پشت پر لکھ دئے ہیں۔ آخر کے شعر میں ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اس جگہ کر دی ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ تو کوچ کر گئے۔ اب تو عرش کے قریب ہونگے یا وہاں تک پہنچ گئے ہونگے۔ ایک اور بزرگ لاہور کے قریب ہیں۔ ذرا بارش ہو تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہونگا اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دور کرے۔ وہاں کے حالات سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مگر یہ چند روزہ باتیں ہیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ سب کی آنکھیں کھل جائینگی۔

آپ مجھ ہی سے دریافت فرماتے ہیں کہ کب تک آستانۂ شاد تک حاضری ہوگی؟ اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ سب کچھ زرنگار کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب اُسے منظور ہوگا، حاضر ہونگا۔ اس وقت کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آئندہ کا علم اقبال کو ہے نہ شاد کو۔

مخلص قدیم

محمد اقبال

(۴۷)――――――(۹)

لاہور

۲۰۔ جنوری ۱۸ء

سرکار والا تبار۔ تسلیم

نوازش نامہ ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ یہ معلوم کرکے تعجب ہُوا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ کے کلام میں بے جا تصرف کیا۔ کئی روز سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پیغام پہنچا دونگا تصوف پر جو مضامین انہوں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں اُن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ نہ میں نے آج تک کوئی مضمون اس بحث پر اُن

کے اخبار میں لکھا۔ نہ ان کو نہ کسی اور کو لکھنے کی تحریک کی۔ مولوی صاحب سے میرے قدیمی تعلقات ہیں۔ محض اس بنا پر بعض لوگ یہ گمان کر بیٹھے کہ مضامین میری تحریک سے لکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضامین کے اکثر امور سے مجھے سخت اختلاف ہے اور کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔ خواجہ صاحب کو یہی بدظنی تھی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب ان کی بدگمانی رفع ہو گئی تو انہوں نے مجھے معذرت کا خط لکھا جس کے جواب میں میں نے انہیں مزید یقین دلایا کہ اس بحث سے میرا کوئی کوئی تعلق نہیں۔

میں نے دو سال کا عرصہ ہوا تصوف کے بعض مسائل سے کسی قدر اختلاف کیا تھا اور وہ اختلاف ایک عرصہ سے صوفیائے اسلام میں چلا آتا ہے۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ بعض ناواقف لوگوں نے میرے مضامین کو تصوف کی دشمنی پر محمول کیا۔ مجھے تو اس اختلافات کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محض اس وجہ سے اپنی پوزیشن کا واضح کرنا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب نے مثنوی اسرار خودی

پر اعتراض کئے تھے۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لئے مفید ہے، اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا۔ اس واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ نہ بحث کرنا میرا شعار ہے۔ بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو، وہاں سے گریز کرتا ہوں۔ غرض کہ سرکار بھی مطمئن رہیں۔ مجھے اس بحث سے جو ہو رہی ہے کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی اکثر باتوں سے بالکل اختلاف ہے۔ مولوی ظفر علی خاں سے میں نے بارہا کہا، یہ بحث نتیجہ خیز نہیں اور نہ عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر ہر آدمی اپنے خیالات کا بندہ ہے میرے کہنے پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔ اس واسطے میں بھی خاموش ہو رہا۔

حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے۔ یونیورسٹی کے کاغذات ان کی طرف سے کبھی کبھی آجاتے ہیں کہ میں مشورہ لکھوں۔ ادھر سے مولوی عبدالحق صاحب اصطلاحاتِ علمیہ کی ایک

طویل فہرست ارسال کرتے ہیں کہ ان کے تراجم اُردو پر تنقید کروں گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں ترجمہ کرنے والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا ہے تو یہ کام بھی انہیں سے لینا چاہیئے۔ اصل میں یہی حصّہ ان کے کام کا مشکل ہے۔

میرا جذبۂ دل تو بوڑھا ہو گیا۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہ ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ پھر کیوں اقبال کو وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا؟ کیا حضور نظام کے ساتھ آپ دہلی نہ تشریف لائیں گے؟

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص قدیم محمد اقبال

(۴۳) ———— (۱۰)

لاہور

۱۱ جون ۱۸ء

سرکار والاتبار!

آداب عرض کرتا ہوں۔

والا نامہ ایک عرصہ کے بعد ملا۔ کئی دن گذر گئے ہیں تے ایک

علیحدہ ارسال خدمت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ایک نسخہ مثنوی رموزِ بیخودی کا بھی ڈاک میں ڈالا تھا۔ مگر نہ خط کا جواب ملا نہ مثنوی کی رسید۔ آج بعد از انتظار شدید سرکار کا والا نامہ ملا۔ مگر مثنوی کی رسید اس میں بھی نہیں۔ اقبال کے دل سے شاد کی یاد کیونکر فراموش ہو سکتی ہے۔ کاش! آپ سے ملاقات ہوتی اور کچھ عرصہ کے لئے آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ لیکن کوئی بات اپنے بس کی نہیں۔

سرکار کی صاحبزادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجل کرامت فرماوے۔

انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کرونگا۔ کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا۔ آج رمضان المبارک کی پہلی ہے۔ بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لئے اُٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیدار رہتی ہیں گزر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کرونگا کہ اس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے۔ باقی حالات بدستور ہیں۔ گرمی کا زور ہے۔ بارش امید ہے کہ جلد شروع ہوگی۔ طالع کی پریشانیاں

بڑھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اطمینان نصیب کرے اور عزت و آبرو محفوظ رکھے۔ ع

اس دور میں آبرو بہت ...... (امیر)

زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے بلندیٔ مراتب کے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(۷۴) ———— (۱۱)

لاہور

۲۹۔ مارچ ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مع کتابوں کے ایک پیکٹ کے مل گیا ہے۔ جس کے لئے اقبال سراپا سپاس ہے مثنوی آئینہ وحدت بلحاظ زبان اور خیالات کے بالخصوص پسند ہے۔

اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی

حاضر ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ پیر سنجر کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ انشاءاللہ پھر جاؤنگا اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اچھی قوالی سنائی سرکار بہت یاد آئے۔ خدا کرے کہ ملاقات ہو اور بہت سی باتیں ہوں جن کے اظہار کے لیئے دل تڑپتا ہے۔ افسوس کہ حیدرآباد دور ہے اور اقبال کا عزم کمزور و ناتوان ہے۔ ورنہ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ تو آستانۂ شاد پر حاضر ہوا کرے۔ کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے اس پر اشعار لکھیے یا اس پر مصرع لگائیے۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھونگا:

این سرِ خلیل است باآذرِ نتواں گفت

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور جملہ متعلقین اور متوسلین اچھے ہوں گے۔

مخلص قدیم

محمد اقبال لاہور

(۷۵) —————— (۱۲)

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ سرکار عالی مع اقربا و احباب بخیریت ہیں۔ بندۂ درگاہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہے۔ سرکار نے انتظامِ ہند کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا، بجا ہے۔ جو مسائل انسان حل نہ کر سکے، اب معلوم ہوتا ہے، قدرت خود انہیں حل کرنا چاہتی ہے۔ یہاں کے حالات ملاقات ہو تو عرض کروں۔ تحریر سے ادا نہیں ہو سکتے۔

آج آٹھ دن سے مارشل لا یعنی قانونِ عسکری یہاں جاری ہے۔ پنجاب کے بعض دیگر اضلاع میں بھی گورنمنٹ بھی قانون جاری کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے قصور اور دیگر مقامات میں قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا، اُن کو گرفتار کیا گیا ہے اور اُن پر مقدمات شروع کیے گئے ہیں۔ کل سے اُن کا ٹرائل بھی شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم کرے۔ مگر خواجہ حافظ کا شعر کیا خوب حسبِ حال ہے۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نہ ای از سرِّ غیب
باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

میرا ارادہ رامائن کو اُردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہوگا، مسیح جہانگیری نے رامائن کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی۔ اگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لیے عاریتہً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہوگا۔ اس کے متعلق اور مشورہ سے بھی سرکار دریغ نہ رکھیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ خیریت مزاج سے آگاہ فرمایا کیجیے۔

مخلص قدیم
محمد اقبال لاہور

(۱۳) ——— (۷۶)

لاہور

۱۷ ستمبر ۱۹۱۶ء

سرکار والا تبار تسلیمات عرض!

عید کارڈ موصول ہوگیا تھا۔ جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ پنجاب میں عید اِمسال بہت سی قربانیاں لے کے گئی۔ تاہم مبارک ہے

کہ انشاء اللہ نتائج مبارک ہونگے۔ امید کہ مع اعزّہ و اقربا ہر طرح خیر و عافیت سے ہونگے۔ ملاقات کو جی ترستا ہے مگر کیونکر ہو۔ گذشتہ سرما میں دہلی گیا تھا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ قوالی کی صحبت ہوئی۔ آپ بہت یاد آئے۔

زمانے کے گذشتہ نمبر میں سرکار کی ایک نظم نظر سے گزری معنوی ملاقات تو ہوگئی۔ ظاہری باقی ہے۔ خدا کو منظور ہو تو اس کا وقت بھی آجائیگا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا آغاز ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے اسکالرشپ اور علمی قدردانیوں سے ارکانِ یونیورسٹی کو طرح طرح کے فائدے ہونگے۔ بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں؟ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمایئے:

بہ بیزداں روزِ محشر برہمن گفت — فروغِ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم — صنم از آدمی پائندہ تر بود

مخلصِ قدیم

محمد اقبال

(۷۷)————(۱۴)

لاہور

۱۵۔ دسمبر ۱۹۱۱ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔
اس سے پہلے سرکار کا کوئی نوازش نامہ نہیں ملا۔ بلکہ میں اپنے عریضے
کے جواب کا منتظر تھا۔ الحمد اللہ کہ خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح سے
خیریت ہے۔ سردی کا خوب زور ہے۔ جشن صلح کی تیاریاں بھی ہیں۔
آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائیگا۔

لاہور کے مسلمانوں نے ایک عام جلسے میں یہ قرار دیا ہے کہ جشن صلح
میں شرکت نہ کی جائے۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا۔ پولٹیکل
جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اس جلسے میں اس واسطے
شریک ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا۔

حیدر آباد کے نئے دور کے ... ... آپ کی مساعی
بارآور کرے۔ دیکھیں برار کی گتھی نئی وزارت سے سلجھتی ہے یا نہیں۔

کیا عجب ہے کہ اقبالِ آصف جاہی یہاں اپنا کام کر جائے اور حضور نظام کی یہ آرزو پوری ہو۔ آمین!

آپ کی زیارت کو دل بہت چاہتا ہے۔ مگر بقول سرکار کے دکن کا انقلابی دور آپ کی کشش سے مفقود ہو جائے تو شاید کوئی صورت مصافحہ و معانقہ کی بھی پیدا ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ خاک پاک پنجاب دامنگیر معلوم ہوتی ہے۔

مولانا اکبر آجکل دہلی کے حجرۂ رین بسیرا میں مقیم ہیں۔ انشاء اللہ ۲۲ دسمبر کو میں بھی ان کی زیارت کے لئے دہلی جاؤنگا......

دھوم دھام کے جلسے ہیں یعنی کانگریس اور لیگ کا.......

ریشنر کمیٹی کی صدارت کے لئے مجھ سے کہا گیا تھا لیکن دور رہتا ہوں اس کے علاوہ مولانا اکبر کی کشش دہلی کھینچ رہی ہے۔ ع

کہ بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال لاہور

(۷۸)――――(۱۵)

لاہور

۲۹- دسمبر ۱۹۲۲ء

سرکار والا تبار تسلیم

والا نامہ مل گیا تھا۔ جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ الحمدللہ کہ سرکار عالی کو . . . . . کے فرض سے سبکدوشی ہوئی۔ انشاءاللہ باقی فرائض بھی بوجوہ احسن انجام پذیر ہونگے۔ سرکار نے جو کچھ حیدرآباد کے کے لڑکوں کے متعلق ارشاد فرمایا، بالکل بجا ہے۔ فی زمانہ شرفاء ہند کی لڑکیوں کے بر کا معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔ پنجاب کی حالت حیدرآباد سے نسبتاً بہتر ہے۔ گو دور دراز کے رشتوں میں دقتیں ہیں۔ صاحبزادیوں کے متعلق اگر ضروری کوائف سے مجھے آگاہی ہو جائے تو شاید میں کوئی مفید مشورہ عرض کر سکوں۔ ایک آدھ موقع میرے خیال میں ہے لیکن چونکہ معاملہ اہم ہے۔ اس واسطے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے۔ جس مآل اندیشی سے سرکار اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے متعلق

اپنے فرائض کا اس قدر تیز احساس شاید کسی باپ کو نہ ہوگا۔ آپ کے علم، بزرگی، معاملہ فہمی اور روایاتِ خاندانی کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پنجاب میں سرکار شاد کے پائے کے لوگ کہاں! ہاں لڑکوں کی تعلیم اور چال چلن کے متعلق حیدرآباد کی نسبت بہتر اطمینان ہو سکتا ہے۔ بہر حال سرکار عالی سے ضروری آگاہی حاصل کرنے کے بعد میں کچھ مزید امور عرض کرونگا۔ اس قسم کے معاملات میں اور نیز دیگر معاملات میں بے تکلفانہ خط و کتابت کرنی محض سرکار عالی کی وسعتِ خیال کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کجا وزیر نظام اور کجا اقبال ہیچ میرز! اقبال سرکار کی درویش منشی اور اپنی صاف باطنی پر بھروسہ کر کے بے تکلفانہ عرض و معروض کر لیا کرتا ہے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ اس عریضے کا جواب اگر جلد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔

مخلص قدیم
محمد اقبال لاہور

(۷۹) ——— (۱۶)

لاہور

۱۹- مارچ ۲۳ء

سرکار والا تبار- تسلیم

والا نامہ کل مل گیا تھا- میرا ارادہ تھا کہ معاملہ معلومہ کی تحقیقات کے بعد سرکار کو عریضہ لکھوں- اس واسطے اتنی تعویق خط لکھنے میں ہوئی- افسوس ہے، اس معاملے میں میرا اطمینان نہ ہُوا- انشاء اللہ.........اور طرف خیال کرونگا- اگر کوئی صورت حسب مراد نکل آئی تو........ ٹیلیفون کا سلسلہ جاری ہے اور کئی اطراف میں- اطمینان فرمائیے- خدا نے چاہا تو نقش حسب مراد بیٹھے گا- مگر اقبال آپ کی استقامت و سکونِ قلب کی داد دیتا ہے- کل کسی اخبار میں حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کے اشعار دیکھنے میں آئے- ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں- سادگی اور سلاست میں کلام حضور کا اپنا جواب نہیں رکھتا- برار کے استرداد میں یاد آوری اقبال کی ضرورت ہے-

"پیام مشرق" جو میں نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئیٹے کے "دیوانِ مغربی" کے جواب میں لکھا ہے، چھپ رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کی ایک کاپی پیش کرونگا۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اُسے پسند فرماویں گے۔

افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آئندہ تیس سال میں دونوں قوموں کے لئے زندگی مشکل ہو جائیگی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا اور جملہ متعلقین اور متوسلین بھی تندرست ہوں گے۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(۸۰)———(۱۷)

لاہور

۱۴۔ جنوری ۲۴ء

سرکار والا تبار تسلیم

نوروزکارڈ کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میں یکم جنوری سے ۹

جنوری تک لاہور سے باہر تھا۔ نواب صاحبان کرنال (پنجاب) کے
مقدمات کی خاطر اتنے روز لاہور سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ وہاں سے
واپس آیا تو سرکار عالی کا نوروز کارڈ پایا جو حقیقت میں نعمت اتفاق
تھا۔ سرکار اور صاحبزادگان والا تبار کی تصویریں نہایت صاف
اور ستھری ہیں۔ مصور کا فن قابل داد ہے۔ شبیر حسن صاحب
جوش ملیح آبادی (لکھنوی) کی سفارش کے لئے لکھتا ہوں۔ یہ نوجوان
نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں۔ میں نے ان کی تصانیف کو
ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا ہے۔ اس خداداد قابلیت کے علاوہ لکھنؤ
کے ایک معزز خاندان سے ہیں [illegible] کے ساتھ سرکاری
[illegible] ہے کہ سرکار ان کے حال پر نظر
عنایت مبذول فرمائیں گے اور اگر ان کو کسی امر میں سرکار عالی کے مشورے
کی ضرورت ہو [illegible] تو [illegible] مفید ثابت ہوں گے۔
سرکار [illegible] کے اعتماد پر اس درخواست کی جرأت
کی ہے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔
اصل عریضہ ان شاء اللہ پھر لکھوں گا۔ مخلص محمد اقبال لاہور

(۱۸) ——— (۸۱)

لاہور

۲۸- دسمبر ۲۶ء

سرکار والاتبار!

خوبصورت کرسمس کارڈ (کے لئے) جس سے سرکار کی ملاقات
بھی ہر سال ہو جاتی ہے' اقبال سراپا سپاس ہے۔ مبارک باد کا "تار" تو
بھیجا تھا مگر مفصل عریضہ لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ کہ اب کے
میں خود بھی اہل لاہور کے اصرار سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں
گرفتار تھا۔ الحمد للہ کہ تین ہزار کی مجارٹی سے کامیاب ہوا۔ اور
اب فرصت پا کر یہ عریضہ سرکار والا کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔
مجھے یقین ہے کہ سرکار والا کا تقرر حیدرآباد کے لئے بے انتہا برکات
کا باعث ہوگا۔ بلکہ میں تو اس بات کا امیدوار ہوں کہ سرکار کا وجود
باجود ان تمام مشکلات کے ازالے کا باعث ہوگا جو اس وقت ہندوستانی
رؤسا کو درپیش ہیں۔ اگر سرکار کے اثر و رسوخ کی وجہ سے چیمبر آف
پرنسز ہندوستانی رؤسا اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو

اپنا سوال بنائے تو حیرت انگیز نتائج کے پیدا ہونے کی توقع ہے
رائل کمیشن ہندوستان میں عنقریب آنے والی ہے۔ اس مسئلے
کی چھان بین کے لئے بین الاقوامی قانون جاننے والوں کی ایک
جماعت تیار کرنی چاہیئے جو کمیشن کے سامنے شہادت دینے والوں کو
اس مسئلے کے مالہٗ وما علیہ میں پورے طور پر تیار کرے۔ اگر اس
مسئلے میں اقبال کی ضرورت ہو تو وہ بھی اپنی بساط کے مطابق حاضر
ہے۔ انشاءاللہ سرکار والا اُسے خدمت میں قاصر نہ پائیں گے مگر
یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے۔ اس کی طرف فوری توجہ ہونا چاہیئے۔
اور اس کے حل کا طریق بھی یہی ہے جو میں نے اوپر عرض کیا۔ برار
کے متعلق جو طریق اختیار کیا گیا تھا۔ میری رائے ناقص میں صحیح نہ تھا
انشاءاللہ ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کرونگا۔ امید کہ حضور والا کے
متعلقین و متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

نیاز مند دیرینہ

اقبال

(۸۲) ـــــــــــ (۱۹)

مکتوب الیہ کے نام مندرجہ ذیل دو خطوط مولوی عبد الرزاق صاحب حیدر آبادی کا عطیہ ہیں جو لمعہ صاحب کی وساطت سے موصول ہوا ہے۔ یہ مکاتیب شاد اقبال میں موجود نہیں۔ (عطاء اللہ مرتب اقبالنامہ)

لاہور

۱۰۔ دسمبر ۳۴ء

سرکار والا! خط لکھ چکنے کے بعد آپ کا خط مل گیا تھا۔ اس واسطے نئی اردو کی اصطلاح میں حرف شکایت واپس لیتا ہوں۔ آج آپ کا دوسرا خط ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ مولوی اکبر کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ خواجہ نظامی سیر دکن میں مصروف ہیں۔ اورنگ آباد سے خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی۔ انقلاب وزارت کی خبر کل اخبار میں پڑھی تھی۔

تمھیں رو رو کے [illegible] قابل نہ [illegible]!
بتا پھر کس کے [illegible] آنکھ کھلی ہے!

بہر حال تغیر اگر قابلِ دید بھی ہو تو امیر مرحوم کا اصول قابلِ عمل ہے:

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر، دہن تصویر کا

خادم مخلص محمد اقبال

(۸۳) ——— (۲۰)

لاہور

۲۸۔ دسمبر ۱۹۱۴ء

سرکار والا! تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ عین اس وقت ملا جب کہ میں سیالکوٹ سے لاہور کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ والدہ مرحومہ کا چہلم تھا۔ جو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ ابھی لاہور پہنچا ہوں۔

نظم "سرت سچن" نہایت عمدہ ہے مگر مجھے اس کی اشاعت میں اس وجہ سے تامل ہے کہ اس خیال کی اشاعت آپ کی طرف سے کئی دفعہ ہو چکی ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی۔ اعادہ بسا اوقات ملال کا باعث ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا ممکن ہے تکرار کو کسی اور وجہ پر محمول کرے۔ ہاں اگر اشاعت مطلوب ہو تو اس میں جزوی تغیر ضروری ہے۔

اسے نکال ڈالیئے اور باقی اشعار پر نظر ثانی فرما لیجیے۔ کیونکہ بعض بعض جگہ کچھ الفاظ کھٹکتے ہیں .... (تحریر حذف کی گئی) ....

پہلے عریضہ میں حضرت امیر مرحوم کا ایک شعر لکھ چکا ہوں۔ نظر باز اس پہ عمل پیرا ہوا کرتے ہیں۔

افسوس کہ "ترک عثمانیہ" کے لیے کچھ نہیں لکھ سکا۔ مگر قانونی مسائل میں اشعار کے لیے کہاں سے وقت نکلے۔ دل اور دماغ دونوں کام کرنا چاہتے ہیں مگر پیٹ کا حکم ہے کہ ہماری رضا کے بغیر ایک خیال یا ایک تاثر اپنے اندر داخل نہ ہونے دو۔ عجب کشمکش کی حالت ہے مگر شکایت نہیں کہ ہمارے مذہب میں شکایت ہی کفر ہے۔ بہرحال ان تعطیلوں میں چند فارسی اشعار نظم ہو گئے تھے۔ اگر پسند ہوں تو ترکِ عثمانیہ میں طبع فرمایئے۔

(دوسرا) صفحہ ملاحظہ فرمایئے۔ زیادہ کیا عرض کروں بجز اس کے کہ زندہ ہوں۔ فقط

آپ کا خادم

محمد اقبال، لاہور

خوش آنکہ رخت خرد را ز شعلۂ مے سوخت
مثال لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

تو ہم ز ساغر مے چہرہ را گلستاں کن
بہار خرقہ فروشی بصوفیاں آموخت

دلم تپید ز محرومیٔ فقیہ حرم
کہ پیر میکدہ جامے بنقد توبۂ نفروخت

عجب مدار ز سرمستیم کہ پیر مغاں
قبائے رندیٔ حافظ بقامت من دوخت

مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم
ز برق نغمہ تواں حاصل سکندر سوخت

صبا! بہ مولد حافظ سلام ما برساں
کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے نام

(۸۴)————(۱)

مائی ڈیر صاحبزادہ صاحب!

میں نے علوم اسلامیہ کے متعلق آپ کے نہایت عمدہ نوٹ کا بہت دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے اس پر بہت کچھ غور کیا ہے۔ اس مضمون پر مختلف نقطہ ہائے نظر بالخصوص جدید دنیائے اسلام میں عالمگیر روح انسانیت (HUMANISM) کی تعمیر اور بیداری کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ بہر حال قبل اس کے کہ میں کچھ عرض کروں میں چند منتشر خیالات جو میرے ذہن میں آئے ہیں علوم اسلامیہ کے مقاصد کے سلسلہ میں بیان کر دوں۔

(۱) بحیثیت علیحدہ جماعت کے علماء فقہا وغیرہ کو تعلیم و تربیت دینا

رہا آپ کا یہ مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ چار پر بیان

فرمایا ہے اور اس سے مجھے کلی اتفاق ہے)

(۲) ایسے عالم پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے مختلف شعبوں میں اپنی تحقیقات سے اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیات دماغی کا جو تسلسل پایا جاتا ہے، اس کی از روئے نشوونما توجیہہ کریں۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے کہا جاتا ہے ایسے وقت میں رونما ہوا جب مسلم حکما کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں اور جب وہ استقرائی علوم کی تعمیر کی طرف کسی حد تک مائل ہو چکے تھے۔ دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت سے مسدود ہو گئی اور یورپ نے مسلم حکماء کے غور و فکر کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔ یورپ میں جذبۂ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک اُن قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں۔ یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین جذبہ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جا سکتا ہے۔ اس

اہم حقیقت کا احساس نہ آجکل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمانوں کو
کیونکہ مسلمان حکماء کے جو کارنامے محفوظ ہیں وہ ابھی تک یورپ، ایشیا اور
افریقہ کے کتب خانوں میں منتشر اور غیر مطبوعہ شکل اور حالتوں میں ہیں۔
آجکل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک
خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے۔ وہ اُسے بالکل غیر اسلامی تصور کرتے
ہیں مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن اسٹائن کے نظریہ سے کسی قدر
ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹیفک حلقوں میں سنجیدگی سے
بحث و مباحثے ہوتے تھے (ابوالمعالی جس کا قول ابن رشد نے نقل کیا ہے)
تو آئن سٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی نہ معلوم ہو۔ اس کے علاوہ
جدید استقرائی منطق سے اُسے جو بیگانگی ہے وہ بہت کچھ کم ہو جائے۔
اگر اس کو یہ علم ہو کہ جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف
اعتراضات سے وجود میں آیا جو انہوں نے ارسطو کے استخراجی منطق
پر عائد کئے تھے اس قسم کے عالموں کا تیار کرنا از بس ضروری ہے۔
کیونکہ جدید علم کے اخذ و تہذیب کرنے میں صرف یہی لوگ مدد کر سکتے

(۳) ایسے عالموں کا تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب و تمدن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں (یہ اصل میں آپ کا نمبر ۲ مقصد ہے جو آپ نے اپنے مراسلہ کے صفحہ ۲ پر بیان فرمایا ہے۔ میں نے اس میں سے سائنس اور فلسفہ کو علیحدہ کرکے اسے کسی قدر محدود کر دیا ہے) آپ کا مقصد نمبر ۲ بھی اسی مد میں آجاتا ہے۔

(۴) ایسے عالموں کا پیدا کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر میں تحقیق و تدقیق (ریسرچ) کے لئے موزوں ہوں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہمارا قانونی لٹریچر جس کا کافی حصہ ابھی غیر مطبوعہ ہے بے انتہا ہے۔ میری رائے میں ایسے علوم اسلامیہ کی ایک علیحدہ شاخ قرار دینا چاہیئے۔ (قانون سے میرا مقصد صرف اس قانون سے ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے) صرف انہیں عام اصولوں کی تحت میں ہمیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کی اسکیم مرتب کرنا چاہیئے۔ اب میں اس مسئلہ کے عملی رُخ پر غور کرتا ہوں :-

۲۔ مسلم دینیات کا مطالعہ :-

ہمارا پہلا مقصد جس کی بابت ہم دونوں متفق ہیں موزوں صفات کے علماء پیدا کرنا ہے جو ملت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ مگر زندگی کے متعلق ملت کے زاویۂ نگاہ کے دوش بدوش ۔۔ کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبیعی علوم کی غیر متناہی ترقی۔ ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے، اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے چنانچہ جس قسم کا علم کلام اور علم دین ازمنہ متوسطہ کے مسلمان کی تسکین قلب کے لیئے کافی ہوتا تھا، وہ آج تسکین بخش نہیں ہے۔ اس سے مذہب کی روح کو صدمہ پہنچانا مقصود نہیں ہے۔ اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرنا مقصود ہے تو فکرِ دینی کو از سرِ نو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے اور بہت سے مسئلوں کی طرح اس مسئلہ میں بھی سر سید احمد خاں کی دُور رس نگاہ کم و بیش پیشبین گویانہ تھی۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے انہوں نے اس کی بنیاد زیادہ تر ایک گزرے ہوئے عہد کی فلسفیانہ معتقدات و افکار پر رکھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں آپ کے مسلم دینیات

گئے تجویزہ نصاب سے تعلق نہیں ہو سکتا میرے نزدیک قدیم طرز پہ مسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سود ہے۔ اگر اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سوسائٹی کی زیادہ قدامت پسند جماعت کی تالیف قلب مدنظر رہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی ایک نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسر کار لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام انہیں لوگوں کے ہاتھ انجام پا سکتا ہے جن میں اس کام کی صلاحیت ہے مگر ایسے آدمی کس طور پر پیدا کئے جائیں؟

میں آپ کی اس تجویز سے پورے طور پر متفق ہوں کہ دیوبند اور لکھنؤ کے بہترین مواد کو برسر کار لانے کی کوئی سبیل نکالی جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کے بعد کیا کریں گے؟ کیا آپ ان کو بی اے اور ایم اے بنائیں گے جیسا کہ

سر ٹامس آرنلڈ کی تجویز ہے۔ مجھے یقین ہے جہاں تک دینیاتی افکار، دماغی کے مطالعہ یا ترقی کا تعلق ہے، وہ آپ کا مقصد نہیں پورا کر سکیں گے۔ دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو علم دینیات پر غور و فکر کرنے کا خاص ملکہ رکھتے ہوں ان کو میرے نزدیک قبل اس کے کہ وہ آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کو عبور کرنے دئے جائیں جس کو ان کی ضرورتوں کا خیال کر کے بہت مختصر کر دینا پڑیگا۔ افکارِ جدیدہ اور سائنس سے آشنا کر دیا جائے۔ جدید سائنس اور خیالات کی تعلیم ختم کرنے کے بعد ان کو آرنلڈ کے مجوزہ نصاب کے ایسے مضامین پر لیکچر سننے کو کہا جا سکتا ہے جو ان کے خاص مضامین سے متعلق ہوں۔ مثلاً اسلام کے فرقہ جات اور اسلامی اخلاق اور فلسفہ مابعد الطبیعات۔ اس ترتیب کے بعد انہیں مسلم دینیات۔ کلام اور تفسیر پر مجتہدانہ خطبہ دینے کیلئے یونیورسٹی فیلو بنایا جائے۔ صرف یہ لوگ یونیورسٹی میں دینیات کا ایک نیا اسکول قائم کر سکیں گے اور ہمارا مقصد نمبر (۱) پورا ہو سکے گا۔ لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کا قدامت پسند عنصر مطمئن ہو جائے تو آپ قدیم طرز کی دینیات کے اسکول سے ابتدا

کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے مراسلہ کی دفعہ نمبر ۴ میں تجویز کیا ہے۔ مگر آپ کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ آپ تدریجاً اس کے بجائے ان لوگوں کی جماعت کو کار فرما بنائیں جو میری تجویز کردہ اسکیم کے مطابق خود اجتہاد فکر پر قادر ہوں گے۔

۳۔ ہمارا دوسرا مقصد :-

دیوبند اور لکھنؤ کے وہ لوگ جو خالص سائنٹیفک تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہوں انکو ان کے میلانات طبعی کے مطابق جدید ریاضیات، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہیئے۔ جدید سائنس اور حکمت کی تعلیم پورا کرنے کے بعد ان کو اجازت دے دی جائے کہ وہ آرنلڈ کا کورس پورا کریں جس کو ان کی ضرورتوں کا لحاظ کر کے مختصر کر دیا جائیگا۔ مثلاً صرف اس شخص کو آرنلڈ کورس کا نمبر ۳ "دنیائے اسلام اور سائنس" پر لکچر سننے کی اجازت دی جائے جو صرف طبعی سائنس پڑھ چکا ہے۔ اس کے بعد اسے آپ یونیورسٹی کا فیلو بنا سکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنا پورا وقت خاص سائنس میں ریسرچ پر صرف کرے جس کا اس نے مطالعہ کیا ہے۔

۴۔ ہمارا تیسرا مقصد:۔

آرنلڈ کا کورس ان لوگوں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیئے جو سائنس یا فلسفہ میں خاص دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ مسلم تمدن اور تہذیب کے اصولوں کی عام تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اسے صرف لکھنؤ اور دیوبند کے لوگوں تک محدود نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ کی اپنی یونیورسٹی کے ایسے لوگ جو عربی اچھی طرح جانتے ہیں اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ مگر اس کورس میں مسلم آرٹ اور فنون تعمیر بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔

۵۔ مسلم قانون اور تاریخ قانون

ہمیں دیوبند اور لکھنؤ سے ایسے ذہین اور طبّاع لوگ منتخب کرنے چاہئیں جو قانون کا خاص ذوق رکھتے ہوں۔ چونکہ قانون محمدی سر تا سر تعمیری تشکیل کا محتاج ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ انہیں اصول فقہ و قانون سازی کے اصولوں کی تعلیم میں اور شاید جدید اقتصادیات اور اجتماعیات کی جامع تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو ایل ایل بی بنائیں اور پھر آرنلڈ کا کورس پڑھنے کی اجازت دیں مگر ان کے لئے بھی کورس میں تخفیف کرنی پڑے گی مثلاً ان سے کہا جائے کہ "سیاہ

نظریۂ اسلامیہ اور اسلامی اصولِ فقہ کا ارتقاء وغیرہ مضامین کے لکچروں میں
شریک ہوں۔ بعض کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے دیا جائے۔ دوسروں کو
یونیورسٹی کی فیلوشپ اختیار کرنے کی اجازت دی جائے۔ کچھ اپنے آپ
کو قانونی ریسرچ کے لئے وقف کر دیں۔ اس ملک میں قانونِ محمدی جس
طریقہ سے عمل میں لایا جاتا ہے وہ بغایت تاسف انگیز ہے۔ اور بعض
دشواریاں ایسی ہیں جو صرف (مجلس قانون سازی کے) قیام سے دور
ہو سکتی ہیں۔ مسلمان قانون دان جن کا پیشہ وکالت ہو اور جو قانونِ محمدی
کے اصولوں پر پورے طور پر حاوی ہوں، وہ عدالت اور کونسل دونوں
میں بے حد مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ مختصراً میری تجاویز حسب ذیل ہیں

جو نصاب مسٹر ایس آر ملک نے تجویز کیا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں
مگر پورا کورس صرف ان طالب علموں کو لینے کی اجازت ہونی چاہیے جو قانونی
دینیات اور تاریخ کے لئے ایک خاص ذوق رکھتے ہوں۔ جہاں تک
دینیات کی تعلیم کا تعلق ہے میں [illegible] آپ کی تجویز (آپ کے خط کی دفعہ ۲)
تسلیم کرتا ہوں مگر اسے [illegible] اور امتحانی حیثیت دینا چاہتا ہوں

اس کی جگہ رفتہ رفتہ ان لوگوں کے لئے اور ان کے لئے جو قانون اور خاص علوم کا مطالعہ کرینگے، آرنلڈ کا کورس ان کی ضروریات کے لحاظ سے مختصر کرنا پڑیگا۔ یہ جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو اسلامی حکمت، ادبیات، آرٹ، تاریخ نیز دینیات کا نصاب اختیار کرینگے، جرمن اور فرینچ زبانوں کا حسب ضرورت جاننا ازبس ضروری ہے۔

مکرر۔۔۔ منسلکہ خط ٹائپ کیا جا چکا تھا کہ میں پروفیسر محمد شفیع سے ملا جن کو آپ نے کہا تھا کہ مجھ سے علوم اسلامیہ کے متعلق تبادلہ خیال کریں۔ ان سے گفت و شنید کا ماحصل یہ ہے :—

(۱) پروفیسر محمد شفیع میرے خیال میں دینیات کی نسبت زیادہ حامی نہیں ہیں۔

(۲) ان کا خیال ہے کہ اسلامی حکمت وغیرہ کی تعلیم کے لئے زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجوٹیوں میں سے انتخاب کرنا چاہئیے معمولی یونیورسٹی تعلیم کے بعد وہ ان لوگوں کو عربی زبان و ادب کی تعلیم دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہر دو امور میں ان سے اتفاق نہیں کر سکتا

میری رائے میں جدید اسلامی ملتوں کے لئے جدید دنیاوی افکار کی توسیع اور ترویج ضروری ہے۔ قدیم اور جدید اصولاتِ تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیائے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہوگئی ہے۔ یہ روحِ انسانیت کی تحریک" افغانستان جیسے ملک پر بھی اثر ڈال رہی ہے۔ آپ نے امیر افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہوگی جس میں انہوں نے علماء کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدید دنیائے اسلام کی مختلف تحریکیں اسی نتیجہ کی طرف لیجاتی ہیں۔ ان حالات کے ماتحت مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دلیری سے اس وادی کی طرف قدم بڑھائیں۔ اس میں شک نہیں، محتاط رہنا لازمی ہوگا اور فکر و حکمت کی اصلاح اس طور پر عمل میں لانی ہوگی کہ معاشرتی امن و سکون میں خلل نہ آنے پائے۔

رہا پروفیسر شفیع کا دوسرا خیال۔ اس کے سلسلہ میں میری رائے ہے کہ دیوبند اور ندوہ کے لوگوں کی عربی [illegible] دوسری یونیورسٹیوں کے گریجویٹ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پروفیسر شفیع کا خیال ہے کہ قدیم طرزِ تعلیم کی وجہ سے جو دیوبند اور ندوہ میں جاری ہے اُن کے

طالب علموں کا ذہنی نصب العین نہایت تنگ ہو جاتا ہے۔ ان کو یہ تسلیم ہے کہ عربی زبان کی قابلیت ان کی بہتر ہوتی ہے۔ میری رائے میں جو لوگ غیر معمولی روشن دل و دماغ کے ہوتے ہیں اُن کے لئے طریقۂ تعلیم کی نوعیت کچھ بہت زیادہ اہم نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا پیش نہاد کافی (لچکیلا) ہوتا ہے اور ان میں وسعت پذیر ہونے کی کافی صلاحیت ہوتی ہے۔ قدیم اور جدید طرزِ تعلیم کے محض بہترین نا قدامی قدیم طریقۂ تعلیم کی پیداوار ہوئے ہیں۔ مزید براں ندوہ کے بعض افراد ایسے ہیں جو پروفیسر شفیع کے عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں۔

میں یہاں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ندوہ اور دیوبند کے لوگوں کو انٹرمیڈیٹ کے معیار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ یونیورسٹی کا انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کرنے پر مجبور کئے جائیں۔ [illegible] یہاں وہ [illegible] نہ [illegible] سکے کوئی دوسری زبان اختیار نہ کر سکیں گے [illegible] دوسرے [illegible] ذیل مضامین سے انتخاب کر سکیں گے۔

(الف) علوم عربی۔ (ب) ریاضیات۔ (ج) فلسفہ۔ (د) اقتصادیات۔

چونکہ ان کو انگریزی کی تعلیم محض کام چلانے کے مطابق حاصل کرنی ہوگی میں یونیورسٹی کے اعلیٰ امتحانات ایم' اے اور بی' اے سے انگریزی کو بالکل حذف کر دینا چاہتا ہوں۔ ان امتحانات میں ان کو صرف سائنس اور فلسفہ کے مضامین لینے کی ضرورت ہوگی۔ ابھی میں اس امر کے متعلق توجہ نہیں کر سکا ہوں کہ آیا ان کو بی' اے اور ایم' اے کے امتحانات پاس کرنا ضروری ہونگے۔ اس امر کے متعلق دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں اگر یہ طے ہو کہ ان کو یونیورسٹی کے امتحانات بی' اے یا ایم' اے پاس کرنا نہ پڑینگے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کو بمقابلہ دیگر طلباء کے جن کو امتحان پاس کرنا پڑتا ہے زیادہ وسیع پیمانہ پر مطالعہ کا موقع ملیگا۔ مگر اس حالت میں ان لوگوں کی علمی کارکردگی پر یونیورسٹی کو خاص طور پر نگراں رہنا پڑیگا۔

نوٹ۔ اصل خط ایک نوٹ کی صورت میں انگریزی میں ہے جو نہیں مل سکا۔ مندرجہ بالا اردو ترجمہ [illegible] (مرتب)

ماسٹر طالع محمد کے نام

(۸۵) ———— (۱)

مکتوب الیہ نے جلال پور جٹاں ضلع گجرات پنجاب سے دریافت فرمایا: "جب الفاظ عربی یا فارسی زبان سے اُردو میں منتقل ہوتے ہیں تو بعض اوقات اُردو میں آن کر تلفظ بدل جاتا ہے مثلاً عربی میں شَفَقَت ہے لیکن اُردو میں شَفْقَت صحیح ہے مگر بعض باریک بین اور نفاست پسند حضرات اصلی زبان کے تلفظ کو اُردو میں خواہ مخواہ ٹھونسنے پر اُدھار کھائے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اصلی زبان کے تلفظ کو صحیح تصور کیا جائے یا وہ تلفظ صحیح ہے جو اہلِ زبان دہلوی اور لکھنوی ادیب یا اہلِ [illegible] (طبقہ) استعمال کرتے ہیں۔"

اس کے بعد ماسٹر صاحب نے [illegible] سے الفاظ کی ایک فہرست

دے کر ان کا درست تلفظ دریافت فرمایا۔ جواب حسب ذیل موصول ہُوا:۔

مکرّم بندہ!

السلام علیکم۔ جس قسم کی تحقیقِ زبان آپ کو مطلوب ہے افسوس کہ میں اُس میں آپ کی کوئی امداد نہیں کر سکتا۔ غالباً لکھنؤ سے ایک آدھ رسالہ اس قسم کا شائع ہوتا ہے مگر مجھے نام معلوم نہیں۔ اس بارے میں آپ مرزا یاس عظیم آبادی ایڈیٹر کارامروز لکھنؤ اور مرزا عزیز لکھنوی اشرف منزل لکھنؤ سے خط و کتابت کریں۔ وہ آپ کو بہتر مشورہ دے سکیں گے۔ میں آپ کی قدر و منزلت کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اور ایسے مقام پر آپ کو صحیح اُردو کا ذوق ہے۔

محمد اقبال، لاہور

۱۸۔ جون ۱۹۲۱ء

نامعلوم

(۸۶) ——— (۲)

(انگریزی)

سیالکوٹ

۱۷۔ اگست ۱۹۲۲ء

جناب من!

جرمنی سے متعلق میری معلومات اب پرانی ہو چکی ہیں۔ تیرہ برس گذرے میں اس ملک میں تھا۔ اس کے بعد اس ملک کو تاریخ عالم کی ایک عظیم ترین جنگ سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اس وقت وہ ملک دنیا کی معاشی تاریخ کے ایک عدیم المثال مالی بحران میں مبتلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کی درس گاہوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ آپ کو کسی ایسے شخص کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو اس ملک سے حال ہی میں واپس آیا ہو۔ میں تو صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنا مقالہ میونک یونیورسٹی میں پیش کیا جس کے ارباب اختیار نے مجھے یونیورسٹی میں قیام کی شرط سے مستثنیٰ کر دیا اور مجھے اپنا مقالہ انگریزی میں لکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی

جرمن یونیورسٹیاں بالعموم ۳ سال یا ڈیڑھ سال کے لئے لیکچروں میں حاضری پر اصرار کرتی ہیں۔ حاضری کی مدّت کا تعیّن امیدوار کی اہلیت پر ہوتا ہے۔ اور عام طور پر مقالہ جرمنی زبان میں مرتّب کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مجھے اپنے کیمبرج کے اُستادوں کی سفارش کی بنا پر اس سے مستثنےٰ قرار دیا گیا۔ پی، ایچ، ڈی کا امتحان زبانی جرمن زبان میں ہوا جو میں نے دورانِ قیام میں تھوڑی بہت سیکھ لی تھی۔

آپ کا

محمد اقبال

چوہدری محمد احسن کے نام

(۸۷) ——— (۱)

مکتوب الیہ کے بڑے بھائی حافظ محمد حسن صاحب کا تعلق جماعتِ احمدیہ لاہور سے ہے۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اس جماعت میں شمولیت کی دعوت دی اور سلسلہ کا تبلیغی لٹریچر بہم پہنچایا جس کے مطالعہ کے بعد مکتوب الیہ نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بعض مسائل دینی کا حل چاہا اور اس جماعت سے متعلق علامہ مرحوم کی رائے دریافت فرمائی۔

لاہور

۷- اپریل ۱۹۳۲ء

جنابِ من! السلام علیکم

میں آپ کے بھائی صاحب سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ نہایت

نیک نفس آدمی ہیں۔

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی عالم سے یہ سوالات کرنے چاہئیں جو آپ نے مجھ سے کئے ہیں میں زیادہ سے زیادہ آپ کو صرف اپنا عقیدہ بتا سکتا ہوں اور بس۔ میرے نزدیک مہدی، مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں نے بعض علماء یا دیگر قائدین امت کو مجدد یا مہدی کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ مثلاً محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کو مورخین نے مہدی لکھا ہے۔ بعض علماء امت کو امام اور مجدد کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ زمانۂ حال میں میرے نزدیک اگر کوئی شخص مجدد کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف جمال الدین افغانی ہے۔ مصر و ایران و ترکی و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ جب کوئی لکھے گا تو اُسے سب سے پہلے عبدالوہاب نجدی اور بعد میں جمال الدین افغانی کا ذکر کرنا ہوگا۔ موخر الذکر ہی اصل میں موسس ہے۔ انحطاط کے

مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا۔ اگر قوم نے اُن کو عام طور پر مجدّد نہیں کہا یا انہوں نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا تو اس سے ان کے کام کی اہمیت میں کوئی فرق اہلِ بصیرت کے نزدیک نہیں آتا۔

باقی رہی تحریکِ احمدیت۔ سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو میں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعتِ اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتادِ طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیئے۔

اسلام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں جن طریقوں پر اس وقت تک عمل ہوا اُن کے علاوہ اور طریق بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے عقیدۂ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے وہ زمانۂ حال کی طبائع کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ہاں اشاعتِ اسلام کا جوش جو اُن کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابلِ قدر ہے

السلام

محمد اقبال

پروفیسر میاں محمد شریف کے نام

(۸۸)——————(۱)

لاہور

۱۹۔ جنوری ۳۵ء

ڈیر شریف! آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں
میں کئی دنوں سے صاحبِ فراش ہوں۔ مسوڑے پھول جانے کی وجہ
سے سخت تکلیف رہی۔ دو اپریشن یکے بعد دیگرے ہو چکے ہیں۔
گذشتہ رات جو اپریشن ہوُا۔ اس سے کسی قدر افاقہ ہوُا۔ مگر ابھی تک
صاحبِ فراش ہوں۔ چنانچہ یہ خط بھی لیٹے ہوئے لکھ رہا ہوں۔

علی گڑھ یونیورسٹی نے میری جو قدر افزائی کی ہے اُس کے لئے
میں ان کا نہایت شکر گذار ہوں۔ یہ اعزاز اور بھی گراں قدر ہو جاتا
ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میرا کوئی حق اس یونیورسٹی پر نہ تھا۔
اور نہ عام طور پر علی گڑھ تحریک سے میرا کوئی خاص تعلق رہا ہے۔

امید نہیں کہ ایک ہفتہ تک اس شدت سرما میں سفر کے قابل ہو سکوں۔ لیکن بعد میں انشاء اللہ علی گڑھ ضرور آؤنگا اور جب آؤنگا آپ کی ملاقات سے مسرت حاصل کرونگا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی سے میرا سلام کہئے۔

مخلص

محمد اقبال

(۸۹)———(۲)

(انگریزی)

مائی ڈیر شریف!

میں آپ کے سوالات کا جواب بہم پہنچانے سے قاصر ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دُنیائے اسلام بالخصوص مصر و ایران میں Intellectual Activity ہے اور فلسفہ اب بھی دینیات کے ساتھ ساتھ زیر مطالعہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مکاتب میں جو اب تک پرانی روش پر قائم ہیں مغربی فلسفہ پڑھایا جاتا ہے یا نہیں۔ فلسفۂ حال کی بعض کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً

نیٹشے کی ایک تصنیف کتاب الفجر کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ کسی شخص نے میسوپوٹیمیہ میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اب تک یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ علماء نے فکر اسلامی کو فلسفہ عہد حاضر کی روشنی میں از سر نو ترتیب دینے کی کوئی کوشش نہیں فرمائی۔ لیکن دنیائے اسلام کو جو حوادث پیش آ رہے ہیں، ان کی بنا پر یقین ہوتا ہے کہ اس طرف ضرور توجہ ہوگی۔ خلافت کی تنسیخ نے مصر کے بعض مفکرین کو مسئلہ آئین پر قرآن کریم کے مطالعہ کی طرف راغب کیا ہے۔

جب اسلام کی سیاسی بے چینی دور ہو چکے گی تو فلسفیانہ مسائل بھی زیر بحث آئیں گے۔ معاف فرمائیے میں نے آپ کے خط کی پشت پر ہی جواب اس خیال سے لکھ دیا ہے کہ آپ اپنے سوالات کی طرف رجوع کرنا چاہیں گے۔

مخلص محمد اقبال

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ لیکن یہ ۱۷۔ فروری ۱۹۲۶ء کے خط کے جواب میں موصول ہوا تھا۔

عبد الرشید کے نام

(۹۰)———(۱)

(انگریزی)

مائی ڈیر رشید!

گرامی نامہ کے لئے جو ابھی موصول ہؤا سراپا سپاس ہوں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ امتل اور مسعود کے لئے میرے دل میں کس درجہ محبّت ہے اور ان کی خوشی کے لئے مَیں ہر ممکن کوشش کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اس خاص معاملے میں مَیں آپ سے یہ ضرور کہونگا کہ نفسیاتی وجوہ کی بنا پر اس الم انگیز یاد کو تازہ رکھنے کا سامان بہم پہنچانا مناسب نہ ہوگا۔ اس یاد کے امومت کی اہلیت پر اثرانداز ہونے کا احتمال ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ کو اس وقت تک کے لئے نہ چھیڑئے۔ جب تک خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے دوسرا بچّہ عطا فرمائے۔ اُس وقت آپ کتبے پر یہ شعر کندہ کرا دیجئے:

در چمن بود و لیکن نتواں گفت کہ بود
آہ، ازاں غنچہ کہ بادِ سحر او را نکشود

یہ شعر آپ کا خط پڑھتے ہی ذہن میں آگیا۔

مخلص محمد اقبال

اختتام خط پر اُردو میں مندرجۂ ذیل تحریر ہے :۔
میں نے حکیم نابینا صاحب سے دہلی میں امتل کی علالت کا ذکر کر دیا تھا۔ وہ نومبر میں دہلی جائیں تو ان کو ضرور نبض دکھائیں۔ محمد اقبال

نوٹ:۔ لیڈی مسعود کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ مکتوب الیہ یعنی والد لیڈی مسعود نے کتبہ کے لئے شعر کی فرمائش کی تھی۔ مرتب

قاضی نذیر احمد کے نام

(۹۱)———(۱)

لاہور

۱۲-مئی ۱۹۳۷ء

جناب من! ڈاکٹر صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے وہ خود علیل ہیں۔ اس واسطے مجھ سے آپ کے سوالات کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا ہے:-

(۱) میری تحریروں میں خودی کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوا ہے اخلاقی اور مابعد الطبیعی۔ ہر دو معنوں میں لفظ مذکور کی تشریح واضح طور پر کر دی گئی ہے جس پر فارسی جاننے والے کو کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسرار خودی اور رموز بیخودی دونوں کا موضوع ہی مسئلہ خودی ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو اطمینان ہو جائیگا۔ اگر ان دونوں میں یا کسی اور کتاب میں آپ کوئی

ایسا شعر ملے جس میں خودی کا مفہوم تکبر یا نخوت لیا گیا ہو تو اس سے مجھے آگاہ کیجیے گا۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا دونوں کتابیں انیس سو چودہ اور ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئیں۔ اس وقت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مضمون ان کے مطالب کی تشریح میں لکھے گئے ہیں۔ باوجود ان کے اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ اس زمانے میں یہ ممکن نہیں کہ سچائی کی دو قسمیں قرار دی جائیں۔ ایک عوام کے لئے ایک خواص کے لئے۔ اور جو صداقت خواص کے لئے ہو اُسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے۔ لیکن میرے حالات کے لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں نے مسئلہ خودی کے صرف اس پہلو کو نمایاں کیا ہے جس کا جاننا اس زمانے کے ہندی مسلمانوں کے لئے میرے خیال میں ضروری ہے اور جس کو ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ خودی کے متعلق تصوف کے جو دقیق مسائل ہیں اُن سے میں نے اعراض کیا ہے۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب بہت طویل ہے مگر افسوس کہ طویل خط لکھنے کی نہ ہمت ہے نہ خواہش۔ مختصراً یہ عرض ہے کہ عصبیت اور

چیز ہے اور تعصب اور چیز ہے عصبیت کی جڑ حیاتی (Biological)
ہے اور تعصب کی نفسیاتی (Psychological)۔ تعصب ایک
بیماری ہے جس کا علاج اطبائے روحانی اور تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ عصبیت زندگی کا
ایک خاصہ ہے جس کی پرورش اور تربیت ضروری ہے۔ اسلام میں انفرادی
اور اجتماعی عصبیت دونوں کے حدود مقرر ہیں۔ انہی کا نام شریعت ہے۔
میرے عقیدہ کی رُو سے بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ کی رُو سے ان حدود کے
اندر رہنا باعثِ فلاح ہے اور ان سے تجاوز کرنا بربادی۔ تصادم جس کا
آپ نے ذکر کیا ہے صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جبکہ اُن حدود
سے تجاوز کیا جائے یا اپنی عصبیت کو چھوڑ کر کوئی دوسری عصبیت مثلاً نسلی
عصبیت اختیار کر لی جائے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کفار کے ساتھ ہر قسم کا
میل ملاپ حرام ہے تو وہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے اور اس کے لئے
تبلیغ دین میں دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی قوم اسلامی عصبیت کو
چھوڑ کر نسلی عصبیت کو بطور ایک اصولِ تنظیم کے اختیار کرے مثلاً ترکوں
میں خیال غالب آ رہا ہے تو اس قوم کے لئے تبلیغ اسلام مشکل ہو جاتی ہے
اور اس کو یوں بھی تبلیغ میں دلچسپی نہ رہے گی۔ والسلام　　محمد شفیع ایم۔ اے

مولوی احمد رضا صاحب بجنوری کے نام

(۹۲)۔۔۔۔۔(۱)

لاہور

۲۳۔ستمبر ۳۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ کئی روز ہوئے مل گیا تھا جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ آپ نے اس خط میں فرمایا تھا کہ لاہور کی ایجنسی سے خیر کثیر اور تفہیمات کے نسخے پہنچ جائیں گے۔ اطلاعاً گذارش ہے کہ یہ کتابیں ابھی تک موصول نہیں ہوئیں۔

آپ نے حکایت زمین کے متعلق امام محمدؒ کی کسی کتاب کا ذکر کیا ہے۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیے کہ کتاب مذکور کہاں سے دستیاب ہوگی۔ نام بھی کتاب کا پڑھا نہیں گیا۔

کیا آپ کسی ایسے بزرگ کا نام تجویز فرما سکتے ہیں جس کی نظر فقہ

اسلام و اصولِ فقہ و تفسیر پر وسیع ہو اور جو شاہ ولی اللہ کے فلسفے اور ان کی کتابوں پر پوری بصیرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی ایسے بزرگ مل جائیں تو میں ان کو اپنی کتابوں کے سلسلے میں کچھ مدت کے لئے اپنے پاس رکھ لونگا اور اس مدد کا جو مجھے اُن سے ملیگی مناسب معاوضہ دونگا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ جناب والا کا مزاج بخیر ہوگا۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے نام

(۹۳)————(۱)

۲۲ ستمبر ۳۲ء

جناب من! السلام علیکم

مجھے معلوم ہے اس قسم کے دستاویز آپ کے پاس ہیں لیکن اگر وہ پوشیدہ رہیں تو ان کا کیا فائدہ ہے؟ مجھے آپ ان کے اصل بھجوا دیجئے تو میں اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت نکالوں۔ بعد تصفیہ بعض امور کے جن کی تشریح اس خط میں ضروری نہیں، میں وہ تمام کاغذات آپ کو واپس دے دونگا۔

محمد اقبال

(یہ کاغذات قضیۂ کشمیر سے متعلق تھے)

محمد احمد خاں کے نام

(۹۴) —— (۱)

لاہور

۲۱ ستمبر ۳۶ء

جناب من! تسلیم

آپ کا والا نامہ مع پارسل کتب ابھی موصول ہوا ہے افسوس
کہ گذشتہ دو سال سے علیل ہوں۔ مشاغلِ علمی قریباً ترک
ہو چکے ہیں اور خط و کتابت بھی شاذ ہی کرتا ہوں۔ فی الحال آپ
کی کتابیں پڑھنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ میں آپ کی
نظم و نثر کو اچھی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ فقط

محمد اقبال

ناسوح

(۹۵)———(۱)

اس مکتوب کے سلسلہ میں مکتوب الیہ نے مندرجۂ ذیل تشریح ضروری سمجھی ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے اقبال کی شاعری نے جو انقلاب اور ہیجان پیدا کیا۔ اس کی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جائے۔

"عرصہ ہُوا احباب کی ایک صحبت میں ڈاکٹر اقبال کی شاعری موضوعِ بحث تھی۔ صاحبِ خانہ شکوہ اور جوابِ شکوہ ترنّم سے سُنا رہے تھے۔ ایک صاحب نے بعض اشعار پر نکتہ چینی شروع کی۔ یہ ساری بحث تو حافظہ میں نہیں ہے مگر چند اعتراضات یہ تھے:۔

شکوہ کا ایک شعر ہے:۔

پھر یہ آزردگیٔ غیر سبب کیا معنی!

اپنے شیدائیوں پر یہ چشمِ غضب کیا معنی!

غیر سبب صحیح نہیں۔ بے سبب کے عوض غیر سبب کہنا غلط ہے؟

جوابِ شکوہ کے پہلے بند :

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

کا چوتھا مصرعہ ہے :

خاک سے اُٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

گذر رکھنے' کا فاعل 'بات' ہے۔ گزر رکھنا اُردو کی بول چال نہیں"

جب مئے درد سے ہو غلغلتِ شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش
چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا

اور باتوں سے قطع نظر اوپر سے نیچے آنے کو نازل کہتے ہیں لہٰذا فرش سے عرش پر ظاہر ہونا صحیح نہیں۔ قیدِ دستور سے بالا ہونے کا اشارہ صرف یہ ظاہر کر سکتا ہے کہ سروش شعر کو چرخ سے سوئے زمین لاتا ہے مگر میرا شعر فرش سے عرش پر جاتا ہے

اس موقع نازل ہونا نہیں کہہ سکتے۔ لفظ کے لغوی معنے کیسے بدل جائیں گے؟

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا، اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو
ملّتِ احمدِ مرسل کو مقامی کرلو

چوتھے مصرع میں لفظ 'ہرجائی' درست نہیں۔ اُردو کے محاورے میں یہ لفظ ذم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹیپ کے شعر میں 'کسی یکجائی سے عہدِ غلامی کرلو' اور 'ملّت کو مقامی کرلو' کے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟

جواب شکوہ کا آخری شعر ہے:—

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے
اور دُنیا کے اندھیرے میں اُجالا کر دے

بول بالا ہونا" اُردو کا محاورہ ہے جو کنایہ ہے شہرت یا ناموری کے لئے پیش "بول بالا" میں فصل جائز نہیں۔"

غرض یہ اور دوسرے چند اعتراضات سُن کو میں نے عرض کیا "جناب! کبھی آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ شاعری سے علامہ کی غرض کیا تھی؟ شاعری اُن کے لئے باعثِ فخر نہیں ان کی ہستی اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ادب و شعر میں انقلاب پیدا کرنا یا زبانِ اُردو کی اصلاح و توسیع ہرگز اُن کا مقصد نہیں۔ قوم کی زبوں حالی سے متاثر ہو کر جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اس کا اثر بجلی کی طرح ہر سُننے والے پر بھی ہوتا ہے شعر کی بڑی خوبی تو یہی ہے کہ جس اثر کے ماتحت شعر کہا جائے وہی اثر سامع پر بھی ہو۔ اس خصوص میں اقبال کی شاعری اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کے مقابلہ میں معمولی فروگزاشت پر کوئی نظر نہیں ڈالتا۔"

یہ بحث تو ختم ہو گئی مگر عرصہ تک میرے دل میں خلش رہی۔ بالآخر دل میں آیا کہ ڈاکٹر اقبال سے ہی کیوں نہ استفسار

کرلیا جائے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر کرکے معمولی پیرایۂ استفسار اختیار کرکے ضمناً ایک آدھ اعتراض کی نسبت دریافت کرنا مناسب معلوم ہُوا۔

ڈاکٹر صاحب کے کسی شعر میں 'روشن بصر' کا لفظ پڑھا تھا اگرچہ یہ لفظ غلط نہیں۔ دریافت طلب یہ تھا کہ بصر کو روشن کیوں کہا جائے۔ صاحب بہارِ عجم نے صرف نظامی اور عرفی کے اشعار بطور نظیر لکھ دئیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیقاتِ لفظی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ایک اور شعر میں 'درونِ خانہ' کا لفظ آیا ہے۔ شعر تو اس وقت حافظہ میں نہیں مگر محلِ استعمال کے لحاظ سے کچھ شبہ تھا۔

میرا تیسرا سوال: ع

فرش سے شعر ہُوا عرش پہ نازل میرا

کے متعلق تھا۔ ان تینوں سوالات کا ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ وار جواب ادا فرمایا جو درج ذیل ہے:—

لاہور

۵۔ دسمبر ۳۶ء

جناب من!

(۱) خرد را تو روشن بصر کردۂ
چراغ ہدایت تو بر کردۂ

(۲) 'درونِ خانہ' سے مراد نفسِ انسانی نہیں ہے بلکہ نظامِ عالم کا باطن ہے۔ مراد یہ ہے کہ عقلِ انسانی نظامِ عالم کے ظاہر کو روشن کرتی ہے۔ اس کے باطن کو نہیں دیکھ سکتی۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب ذوقِ سلیم سے پوچھیے۔ نہ مجھ سے نہ منطق سے نہ کسی ماہرِ زبان سے۔ فقط

محمد اقبال

راغب احسن صاحب کے نام

(۹۶)———(۱)

۲۳۔ اپریل ۱۹۳۱ء کو جناب راغب احسن صاحب ایم۔ اے نے جمعیتہ الشبان المسلمین کلکتہ کی بنیاد رکھی اور اس فکر اسلامیت کا میثاق شائع کیا اور حکیم الاسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ارسال کیا۔ علامہ نے مندرجہ ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

لاہور ۲۸۔ مئی ۱۹۳۱ء

جناب راغب صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مع میثاق ابھی ملا ہے۔ آپ کی تحریک مبارک ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ عالمگیر ہو جائے۔ انگریزی ترجمے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت تک انتظار کیجیے جبکہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ فی الحال اس کا ترجمہ جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرائیے اور ممکن ہو تو

اہلِ زبان سے ہر ایک جزو کی صورت میں ممالکِ اسلامیہ میں اس میثاق وقواعد و مقاصد کو شائع کرائیے تاکہ ان ممالک میں اس کی تخم ریزی ہو جائے۔ غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہو گی یا ممکن ہے ان ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرے۔

مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑوں سے مراد روحِ اسلامیت ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔ ابھی اور بھی امور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہو گا اور ان کو اپنی تحریک اور مقاصد کا جزو بنانا ہو گا۔ مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا۔

قومی سرمائے کی سخت ضرورت ہے۔ افسوس مسلمان امرا پر حُبِ مال غالب ہے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

شوکت حسین کے نام

(۹۷)——(۱)

(انگریزی)

لاہور

۳۔ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

جنابِ من!

اخبار موصول ہُوا ممنون ہوں۔ میں نے بھی چند دن ہوئے یہ اخبار دیکھا تھا لیکن اسے قابلِ توجّہ نہ سمجھا۔ یہ نظم بیس برس ہوئے لکھی گئی تھی۔ معلوم نہیں کس نے شائع کی ہے۔ اس کی اشاعت سے قبل مجھ سے اجازت حاصل کر لینا زیادہ قرینِ انصاف ہوتا۔ لیکن دلی اخلاق و آداب اس ملک میں مفقود ہیں۔ مصنف کے جس دل و دماغ میں مسلسل انقلاب برپا رہتا ہے کون خاطر میں لاتا ہے۔ یہ نظم اگرچہ میری نہایت ہی ابتدائی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

تاہم تنقید کے بعض حصص اغلاط کتابت پہ محمول ہونے چاہئیں۔ جن کا مورد الزام مجھے نہیں ٹھہرایا جانا چاہیئے۔ نقاد کی نظر سے نظم کے حقیقی اسقام البتہ پوشیدہ رہے ہیں۔ شعر محاورہ اور بندش کی درستی اور چستی ہی کا نام نہیں۔ میرا ادبی نصب العین نقاد کے ادبی نصب العین سے مختلف ہے۔ میرے کلام میں شعریت ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور میری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ اس زمانہ کے شعرا میں میرا شمار ہو۔

نیاز مند محمد اقبال

(۹۸)———(۲)

(انگریزی)

لاہور

۲۔ جنوری ۱۹۱۹ء

جناب من!

نوازش نامہ موصول ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نظم کی پہلی اشاعت کی تلاش میں کامیاب ہوئے۔ میرے پاس اصل مسودہ کی کوئی نقل تک بھی موجود نہیں۔ نظم اسقام سے بری نہیں لیکن اب اس طرف

توجہ کے لئے فرصت کہاں! ایک پرانی نظم کو آراستہ کرنے سے ایک نئی نظم تیار کرنا مقابلتہً آسان ہے۔ نظم کے اسقام البتہ نفسیاتی ہیں چند بندشیں بھی قابلِ اصلاح ہیں۔ ہندوستانی ناقدین ابھی آرٹ کی تنقید کے ابتدائی اصولوں سے بھی بے بہرہ ہیں۔ البتہ مجھے خوشی ہے کہ آپ اس معاملہ میں مطمئن ہیں۔

محمد اقبال

(۹۹)————(۳)

مخدومی۔ السلام علیکم
آپ کی نظم موصول ہو گئی۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ اسرارِ خودی اقبال کا قاتل ہے۔ مگر ممکن ہے، آپ کا حال ہو۔ اگر ایسا ہو تو میرے لئے بھی دعا فرمائیے۔

محمد اقبال لاہور

۷۔ فروری ۱۹۲۶

مولوی احمد علی شاب کے نام

(۱) ——— (۱۰۰)

(مکتوب الیہ نے ایک نظم ۱۲- اگست ۱۹۲۲ کو اصلاح کے لیئے ارسال فرمائی تھی)

جناب من! تسلیم

اس خدمت سے معاف فرمائیے کہ میں بہت عدیم الفرصت ہوں اس کے علاوہ دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے فرصت کے اوقات کے لیئے شاعری سے بہتر مصرف تلاش کریں۔ اگر اردو کی خدمت کا شوق ہو تو اس وقت نظم سے زیادہ نثر کی ضرورت ہے۔

خادم

محمد اقبال
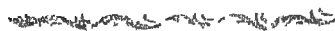
سید انور شاہ صاحبؒ کے نام

(۱۰۱)——(۱)

لاہور

۱۳۔ مارچ ۳۵ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مجھے ماسٹر عبیداللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ آپ کی قیام گاہ سے لانے کے لئے سواری یہاں سے بھیج دی جائیگی۔

مخلص محمد اقبال

پروفیسر سردار محمد کے نام

(۱۰۲)―――(۱)

لاہور

۶۔مارچ ۲۵ء

مکرمی۔ السلام علیکم

آپ کا خط کئی دنوں سے آیا رکھا ہے۔ مگر میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ اب بھی آپ کے دوست کے نوٹ کا پورا جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ سند مانگتے ہیں سند کے لئے تلاش کی ضرورت ہے اور تلاش کے لئے فرصت شرط ہے۔ میرے علم میں خجستہ یا خجستہ پے۔ خجستہ گام۔ خجستہ قدم سب صحیح ہیں۔ ان میں سے کون کس محل پر استعمال کیا جائے، استعمال کرنے والے کی ضرورت اور مذاق پر منحصر ہے۔ عثمان مختاری نے خجستہ دست بھی لکھ دیا ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس اس کا ضد سبز پا

(شوم قدم) ہے۔ اس میں بھی شعراء نے حسب ضرورت تصرف کیا ہے اور سبز پا۔ سبز پے۔ سبز قدم تینوں طرح لکھا ہے۔ بہر حال مطالعہ کے وقت خیال میں رکھونگا۔ اگر کوئی شعر مل گیا تو لکھ بھیجوں گا۔
زبان کے متعلق میرا نقطۂ نگاہ اور ہے مگر اس ملک میں جہاں لوگ علم اللسان جدید سے واقف نہیں، وہ نقطۂ نگاہ بدعت سمجھا جائیگا۔ اس واسطے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ آپ کے دوست کی تنقید کا وہ کافی جواب ہوتا۔ ان کی تسلی صرف سند سے ہو سکتی ہے جس کی تلاش انشاء اللہ کرونگا۔

محمد اقبال

شولال شوری کے نام

(۱۰۳)———(۱)

(انگریزی)

لاہور
۲۷ مئی ۱۹۳۷ء

ڈیئر مسٹر شوری!

مجھے نہایت ہی ندامت سے آپ کو اطلاع دینا پڑتی ہے کہ آپ کے مرسلہ کاغذات کا مطالعہ میرے لئے ناممکن ہے۔ میری آنکھوں کی تکلیف بڑھ رہی ہے اور میرے معالجین نے مجھے لکھنے پڑھنے کی قطعاً ممانعت کر دی ہے۔ بنی نوع انسان کی وحدت کا خیال اس شدید قومیت کے دور میں جس کا ماحصل نسل انسانی میں باہمی خانہ جنگی کے سوا کچھ نہیں قابلِ اشاعت ہے۔ اگر آپ کے پمفلٹ کا یہی موضوع ہے تو بلا شبہ آپ کی تحقیق درست ہے۔

آپ کا مخلص اقبال

حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ کے نام

(۱۰۴)　—　(۱)

عالی جناب نواب صاحب قبلہ

السلام علیکم۔ آپ کی کتابیں اور خط کئی دنوں سے میری میز پر رکھا ہے۔ میں بوجہ علالت جواب نہ لکھ سکا۔ اس تاخیر کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ حالاتِ زمین یعنی جغرافیہ جو آپ نے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے تالیف فرمایا ہے نہایت عمدہ رسالہ ہے اور میری رائے ناقص میں ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ میں نے بار بار دیکھا ہے کہ مسلمان مستورات بوجہ جغرافیہ نہ جاننے کے اخبار اچھی طرح سمجھ نہیں سکتیں۔ آپ کا رسالہ اُن کے لئے ازبس مفید ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ ان کو موجودہ دُنیا کے واقعات

بچے سمجھنے میں سہولت ہوگی، اس رسالہ کے مطالعہ سے اُن کے دائرۂ نظر میں وسعت بھی پیدا ہوگی۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جو اسلامیہ سکول اس وقت موجود ہیں یا جو آئندہ بنائے جائیں ان میں اس جغرافیہ کی ترویج نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ اپنا بیش قیمت وقت ایسے ایسے رسائل کی تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے ہیں۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء
۱۱۔ اپریل ۱۹۱۳ء

غلام قادر فصیح کے نام

(۱۰۵) ——— (۱)

میرے نزدیک یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ہر مسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ عام مسلمانوں میں اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لئے اس سے اچھا ذریعہ اور کوئی نہیں کہ اس قسم کے تاریخی رسالے شائع کئے جائیں۔ جن سے ان کو اسلاف کے حالات معلوم ہوں اور ان کے طرزِ عمل کا ان پر اثر پڑے۔ قوموں کی بیداری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی تاریخ سے کہاں تک دلچسپی ہے آپ کے رسالے کی اشاعت سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمان کہاں تک اپنے اسلاف کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حالاتِ موجودہ کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر ایک قسم کی قومی بیداری پیدا ہوگئی ہے اور تاریخی

مضامین کو نہایت توجّہ سے سُنا جاتا ہے۔ اس واسطے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا رسالہ برمحل نکلا ہے اور ہماری ضروریاتِ موجودہ کا کفیل ہوگا۔

خود مجھ پر جو اثر اس کے مطالعے سے ہوتا ہے اس کا اظہار میں اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پُر آب ہو جاتا ہوں۔ اس کا اثر میرے دل پہ کئی کئی دن رہتا ہے۔ خدا کرے کہ کوئی مسلمان گھر اس رسالے سے خالی نہ رہے۔

محمد اقبال

محمد دین فوق کے نام

(۱۰۶)————(۱)

از کیمبرج (انگلستان)

۲۵- نومبر ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہنچ کر دوسرا خط لکھونگا مگر چونکہ عدن سے سویز تک کے حالات بہت مختصر تھے۔ اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ لندن پہنچ کر مفصل واقعات عرض کرونگا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس پر میں نوٹ لیتا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر وہ کاغذ کہیں کھو گیا۔ یہی وجہ اب تک میرے خاموش رہنے کی تھی۔ شیخ عبدالقادر صاحب کی معرفت آپ کی شکایت پہنچی۔ کل ایک پرائیویٹ خط میں نے آپ کے نام لکھا تھا۔ دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں جو اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ کی بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر ان میں جا گرتا ہے۔ چونکہ ملک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ میں بوجہ گرمی کے اور قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کر سکا۔ اور انجنیری کے اس حیرت ناک کرشمے کے نظارے سے محروم رہا۔

جب ہم سویز پہنچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آموجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا۔ ان لوگوں کی فطرت میں میلانِ تجارت مرکوز ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟ انہی کے آباؤ اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی سلیمان اعظم انہی میں کا ایک شہنشاہ تھا۔ جس کی وسعتِ تجارت نے تاجر اقوام کو ڈرا کر ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔ کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے۔ کوئی مصر کے پرانے بت بیچتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ یہ ذرا سا بت اٹھارہ ہزار برس کا ہے جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے۔ غرض کہ یہ

لوگ گاہکوں کو قیدؔ کر لینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ انہی لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچہ ہاتھ میں لئے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے۔ ایک نوجوان مصری دکاندار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں اس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ مگر میرے سر پر چونکہ انگریزی ٹوپی تھی اس نے ماننے میں تامل کیا اور مجھ سے کہا "تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو؟ (تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اردو بولتا تھا۔ جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا کہ "تم بھی مسلم ہم بھی مسلم" تو مجھے بڑی مسرت ہوئی) میں نے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مسلمان کی ڈاڑھی منڈی ہو تو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہئیے۔ ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہو گی؟ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش! ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروج ہو جاتا کہ ہمارے دوست موسمی علماء کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہوا اور چونکہ

لہ قید انگریزی لفظ Capture کا ترجمہ ہے۔ اس کا مفہوم گاہک کو پھانس لینا ہے۔

حافظِ قرآن تھا۔ اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں
تو نہایت خوش ہُوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دُکانداروں
کو مجھ سے ملایا اور وہ سب لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاء اللہ
ماشاء اللہ کہنے لگے۔ اور میری غرض سفر معلوم کر کے دعائیں دینے
لگے۔ یا یوں کہئے کہ دو چار منٹ کے لئے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر
کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد مصری
نوجوانوں کا نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لئے آیا۔ میں
نے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے
تھے کہ مجھے ایک سیکنڈ کے لئے علی گڑھ کالج ڈیپوٹیشن کا شبہ ہُوا۔
یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور میں
بھی دخل در معقولات ان میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔
ان میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا جیسے حریری
کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔

آخر مسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہُوا۔
اور آہستہ آہستہ سویز کنال میں داخل ہُوا یہ کنال جسے ایک فرانسیسی

انجنیر نے تعمیر کیا تھا دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ کنال
کیا ہے ؟ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق اور مغرب کا اتحاد
ہے۔ دنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں
کیا جس قدر اس مغربی اختراع نے زمانۂ حال کی تجارت پر
کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے
تخیل کی داد نہیں دے سکتا جس نے اقوام عالم میں اس تجارتی
تغیر کی بنیاد رکھی۔ جس نے حال کی دنیا کی تہذیب و تمدن کو کچھ
کا کچھ کر دیا ہے۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز
مشکل سے اس میں گزر سکتے ہیں اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر
کوئی غنیم چاہے کہ رات بھر میں اسے مٹی سے پُر کر دے تو آسانی
سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں جب
ٹھیک رہتی ہے اور اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں
جانب سے جو ریگ ہوا سے اڑ کر اس میں گرتی رہتی ہے، اُس کا
انتظام ہوتا رہے ....

محمد اقبال

(۱۰۷) ـــــــ (۲)

۱۳۔ مارچ ۱۹۴۱ء

فوق کو اسلامیات سے ہمیشہ شغف رہا ہے۔ اس سے پہلے ان کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ "حریت اسلام" ان کی بہترین تصنیف ہے۔ دلیری اور بیباکی سے اعلانِ حق کرنا گذشتہ مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا۔ مگر افسوس کہ عصرِ حاضر کے عام مسلمان تو تاریخ اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اچھے اچھے تعلیم یافتہ موٹے موٹے واقعات سے بے خبر ہیں۔ ان حالات میں فوق صاحب کی تصنیف پنجاب کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان خاندان اس بیش بہا کتاب کے مطالعہ سے محروم نہ رہیگا۔ اسلامی سکولوں اور کالجوں کے کتب خانے خاص طور پر اس کے مطالعہ کی طرف توجہ کریں۔ اس زمانہ میں

جبکہ جمہوریت کی روح ہندوستان میں نشوونما پا رہی ہے دیگر اہلِ ملک کے لئے بھی یہ کتاب سبق آموز ہوگی۔

محمد اقبال

(۱۰۸) ——— (۱)

۲۸۔ دسمبر ۱۹۳۷ء ۔۔۔۔۔۔ کے نام

جنابِ من! اسلام مسنون

آپ کی تجویز کی خوبی اس کے نتائج سے ظاہر ہے جن کی نسبت آپ خود فرماتے ہیں کہ بہت اچھے ہیں۔ قرآن میں بھی یہی آیا ہے کہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۔ والسلام

محمد اقبال

مکتوب الیہ نے تعلیمات اسلامی کی اشاعت کا ایک پروگرام پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی کہ خود اپنے اقرباء میں اس اشاعت کا نتیجہ نہایت خاطر خواہ برآمد ہوا ہے۔

خالد خلیل کے نام

(۱۰۹) ——— (۱)

(انگریزی)

مائی ڈیر خالد خلیل!

میں آپ کو یہ خط سید سجاد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہوں جنہوں نے کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط یہاں اخبارات میں شائع کرایا اور خصوصاً مجھ سے ایسی تجاویز طلب کیں جو آپ کے محققانہ مساعی و مشاغل میں معین ہو سکیں۔ میرے نزدیک قسطنطنیہ یونیورسٹی کے ادارۂ دینیات نے یہ نہایت دانشمندانہ کام کیا ہے۔ اگر اسلامی علم الانساب کا کام باقاعدہ طور پر کیا گیا تو اغلباً ایسے انکشافات سامنے آئیں گے جن سے نہ صرف اسلام کی بابت ترکوں کا دائرۂ نظر وسیع تر ہو جائے گا بلکہ اس طرح ممکن ہے کہ نوخیز نسل کا ذہنی اور روحانی نصب العین مستحکم تر ہو جائے۔

علاوہ ازیں اس قسم کی تحقیقات سے انسانی علوم کے سرمایہ میں اضافہ ہوگا اور ممکن ہے نسلی خصوصیتوں کی تہ میں وحدتِ روح کے ایسے سامان دریافت ہو سکیں جن کا اندازہ سطحی مشاہدہ سے بمشکل لگایا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو سکے کہ الہیٰ کی سیرت کی تشکیل میں جس کا راز اب تک معلوم نہیں کیا جا سکا ہے عظیم الشان تاتاری نسل کی بعض اہم تر شاخیں کار فرما رہی ہوں۔ جو کام آپ کے پیشِ نظر ہے اُس کے امکانات بے پایاں ہیں اور مجھے یقین ہے، آپ اپنے خطبات علمی سے انسانیت، اسلام اور اپنے ملک وملّت کی زبردست خدمت انجام دینگے۔ اور کم از کم دس سال کی مستقل سعی و محنت کے بعد آپ مللِ اسلام اور ان لوگوں کے لئے جو بطریق مختلفہ ان ملل سے دلچسپی رکھتے ہیں، ایک کلیتہً جدید نقطۂ نظر مہیّا کر سکیں گے۔

(۱) میں پہلے ایک عام تجویز پیش کرونگا۔ آپ کو ادارۂ دینیات کو مشورہ دینا چاہئیے کہ جتنی کتابیں تاریخی یا اور قسم کی یورپین اور اسلامی زبانوں میں مختلف ممالک کے مسلمانوں کے

متعلق لکھی گئی ہیں، وہ ان سب کو فراہم کرے۔ یورپین کتابوں میں سے اکثر بلاشبہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں۔ (مثلاً تبلیغی، سیاسی، تجارتی وغیرہ) تاہم ان کتابوں میں کہیں کہیں آپ کو اپنے مضمون سے متعلق نہایت مفید معلومات ملیں گی۔ مثلاً مارشل کی 'اسلام چین میں'، ایک مشنری نے مشنری اغراض کے لئے لکھی ہے۔ بایں ہمہ اس کتاب کے بعض حصص کے مطالعے سے چینی مسلمانوں کے موجودہ نصب العین اُن کی تحریکات اور ان کی آرزوؤں کا پتہ لگتا ہے مصنف نے ان کی اصلیت کے متنازع فیہ مسئلہ، اُن کی موجودہ آبادی، اُن کے معابد اور ان کے ادب کی نوعیت سے بھی بحث کی ہے۔ ایک دوسری مثال سٹوڈرڈ کی تصنیف 'جدید دنیائے اسلام' ہے۔ یہ اُن کتابوں میں سے ہے جو جنگِ عظیم کے بعد ضبطِ تحریر میں آئی ہیں اور اس کے مصنف کا مقصد (جو اینگلو سیکسن نسل کی برتری کا قائل معلوم ہوتا ہے) محض ایک طرح کی سیاسی اشتہار بازی ہے۔ تاہم یہ ایک مفید کتاب یورپین زبانوں میں لکھی ہوئی اُن کتابوں کے بے شمار حوالے

دیتی ہے جو اسلام اور ملل اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں ہیں جن کو سیاحوں یا حکومتہائے یورپ کے اُن سیاسی نمائندوں نے فرداً فرداً بعض اسلامی ممالک پر لکھا ہے۔ جہاں وہ متعین تھے۔ مثلاً برٹن اور فلبی (عرب) گوبنو (فارس) اور ویمبری (وسط ایشیا)۔ یہ وہی ویمبری ہے جس نے مرحوم سلطان عبدالحمید کو بتایا تھا کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہونے سے قبل ترک اپنے ایک مخصوص رسم الخط کے مالک تھے۔

یہ سب کتابیں جمع کرنی چاہئیں اور اپنے خطبات کی ترتیب تیاری میں آپ کو اُن سے مدد لینی چاہئے۔ میسرز لوزک اینڈ کمپنی برٹش میوزیم لنڈن سے مراسلت کیجئے۔ ان کی فہرست کتب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یورپین مستشرقین نے اسلامی تمدن پر کتنا زبردست ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کا لائپزگ (جرمنی) کے پروفیسر ڈاکٹر فشر سے مراسلت کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ میرا خیال ہے، وہ آپ کے مضمون کے متعلق قیمتی مشورے دے سکیں گے۔ اگر آپ خود اُن سے واقف نہیں تو

خط میں میرا حوالہ دے دیجئے گا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر زویمر کا بھی نام لونگا جو قاہرہ میں ایک امریکن مشنری ہیں۔ وہ اسلام کی مخالفت میں ایک رسالہ "مسلم ورلڈ" کی ادارت بھی کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے متعدد کتابوں اور مضامین کی صورت میں مِلل اسلامی پر بہت کچھ لکھا ہے۔ گزشتہ سال وہ لاہور آئے تھے اور انہوں نے جرمن زبان میں مجھے ایک کتاب دکھائی تھی جس میں اسلام اور مِلل اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے عنوانات درج تھے۔ میں اس کے مصنف کا نام بھول گیا ہوں۔ مگر یہ آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ ڈاکٹر زویمر کو لکھیں تو وہ آپ کو بتا دینگے۔ یہ کتاب حال میں شائع ہوئی ہے اور اس سے اغلباً آپ کو ایسی کتابوں کے نام ملینگے جو آپ کے مضمون سے متعلق ہیں۔ پروفیسر ہارووٹز (فرینکفورٹ جرمنی) سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے)۔

(۲) تصریحاً میں مشورہ دونگا کہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مستقل طور پر پیش نظر رہے۔ اس میں آپ کو اسلامی ممالک

مثلاً افغانستان۔ بلوچستان۔ کشمیر وغیرہ پران کی نسلی اور
نسبی خصوصیات پر مضمون ملیں گے۔ فارس کے متعلق میں

Memoir Sur l Ethnographic de la perse

Nicolas de Khanikof

کے مطالعہ کا مشورہ دونگا۔ یہ کسی قدر پُرانی کتاب ہے۔ مگر اس
سے آپ کو اپنے کام کی نوعیت اور ترتیب کا ایک عام اندازہ
ہوجائیگا۔

(۳) جہاں تک آپ کے خطبات کی ترتیب کا تعلق ہے میں
حسب ذیل مشورے دینا چاہتا ہوں۔ شروع میں دو ایک ابتدائی
خطبات ہوں۔ جن میں حسب ذیل امور پر بحث ہو:-

(الف) علم وظائف الاعضا کے نقطۂ نظر سے نسل کی حیثیت۔

(ب) وہ اسباب جن سے نسلوں کی تفریق پیدا ہوتی۔

(ج) کیا مذہب ایک نسل آفریں عنصر ہے؟ بذاتہ میں محسوس کرتا ہوں
کہ تفریق لسانی کے باوجود کیا عالم اسلام کی ادبیات ایک
مشترک پیش نہاد کی حامل ہیں؟ بحیثیت مجموعی میرا خیال ہے

کر لیا ہے۔

(د) اسلامی نسلوں کا ایک سرسری دائرہ۔

۱۔ سامی

(ا) عرب، (ب) افغانی اور کشمیری۔ (کیا یہ عبرانی ہیں؟)

۲۔ آریائی

(ا) ایرانی۔ (ب) ہندی مسلمان۔ یہ مخلوط النسل ہیں۔ آریائی عنصر غالب ہے۔ جاٹ اور راجپوت جیسا کہ بعض مصنّفین کا خیال ہے شاید تاتاری ہیں۔

۳۔ تاتاری

(ا) وسطِ ایشیا کے تاتاری۔ (ب) منگولین۔ (کاشغری اور تبّتی) (ج) چینی مسلمان۔ (د) عثمانی ترک۔

۴۔ حبشی اور بربری

۵۔ علم الانسانیہ کے اغراض و مقاصد

(۴) میری رائے ہے کہ مثال کے طور پر افغانوں پہ خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔

خطبۂ اوّل:۔

افغان۔ افغانستان میں نسلوں کا خلط ملط۔ فارسی بولنے والے افغان اور پشتو بولنے والے افغان۔ کیا افغان اور پٹھان میں کوئی چیز مابہ الامتیاز ہے؟ کیا افغان عبرانی ہیں؟ اپنی اصلیت کے متعلق ان کی اپنی روایات۔ کیا پشتو زبان میں عبرانی الفاظ ملتے ہیں؟ کیا وہ اُن یہودیوں کے اخلاف ہیں جن کو ایرانی کسریٰ نے اسیرین کی غلامی سے نجات دلائی تھی؟ جدید افغانستان کے بڑے بڑے قبائل۔ ان کی تخمینی آبادی۔

خطبۂ دوم:۔

افغانوں کے اسلام لانے کے زمانہ سے ان کی سیاسی تاریخ پر سرسری تبصرہ۔

خطبۂ سوم:۔

افغانوں کو متحد کرنے کی جد و جہد

(الف) مذہبی۔ پیر روشن اور ان کے اخلاف۔

(ب) سیاسی۔ مشہور افغان شیر شاہ سوری جس نے افغانانِ ہند کو

متحد اور عارضی طور پر حکومت مغلیہ کو برطرف کر دیا تھا۔ اُس کی تگ و دو کا صرف ہندوستان تک محدود ہونا۔

(ج) خوشحال خاں کھٹک۔ سرحدی افغانوں کا زبردست سپاہی شاعر جس نے ہندوستان کے مغلوں کے خلاف افغان قبیلوں کو متحد کرنا چاہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ افغان عبرانی النّسل تھے۔ اس نے آخر شہنشاہ اورنگ زیب سے شکست کھائی۔ اور کسی ہندی قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ افغانوں کا شاید اوّلین قومی شاعر تھا۔

(د) احمد شاہ ابدالی۔

(ہ) مرحوم امیر عبدالرحمٰن خاں۔ موجودہ امیر اور افغانوں میں قومی تشخّص پیدا کرنے کی جدوجہد۔

خطبۂ چہارم:۔

موجودہ افغانی تمدّن۔ ان کی قدیم اور جدید صنعت و صناعت۔ ان کی ادبیات اُن کی آرزوؤں اور حوصلہ مندیوں کی ترجمان کی حیثیت سے۔

خطبۂ پنجم:۔

افغانی نسل کا مستقبل۔

(۵) آخر میں ایک نہایت اہم تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ گو اس کا تعلق اس خط کے مضمون سے نہیں ہے۔ ادارۂ دینیات کو چاہیئے کہ دینیات کی ایک پروفیسر شپ قائم کرے۔ جس پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصوّر کا مطالعہ کیا ہو۔ تاکہ وہ مسلم دینیات کو افکار جدیدہ کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے (جس کا ماخذ زیادہ تر یونانی حکمت و فکر تھا) تار و پود بکھر چکے ہیں۔ اب وقت آچکا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی کو چاہیئے کہ جس طور پر وہ اور معاملات میں پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس معاملہ میں بھی پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل و الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سر نو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ اسلام کہ عیسائیت سے کہیں زیادہ سادہ اور عقلی مذہب ہے۔ اس شعبہ میں کیوں بے حس و حرکت ہے۔ ادارۂ دینیات کو ایک جدید علم کلام کی طرح ڈالنی چاہئے اور ترکی کی نوخیز نسل کو یورپ کی لامذہبیت سے محفوظ و

مضبوط کر لینا چاہئے۔ مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیاتِ ملی کے مختلف پہلوؤں کے لیے بیش بہا ترین سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا کیا حشر ہوگا۔ شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

لاہور

(اصل انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ یہ ترجمہ سہیل علیگڑھ سے ماخوذ ہے)

مس فارقوہرسن کے نام

(۱۱۰)————(۱)

لاہور		(انگریزی)

۲۲-مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت نامہ کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ جواب فوراً دے رہا ہوں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ آئندہ ہفتہ بعض اہم مصروفیات کی وجہ سے مجھے خط و کتابت کی فرصت میسر نہ آسکیگی۔ گذشتہ نومبر ہی لنڈن میں ہم میں سے بعض کو کابینہ کے اندرونی اختلافات کا کچھ اندازہ سا ہو رہا تھا تاہم ہمیں انتظار کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل سے نہایت مایوس ہو رہا ہوں بمبئی کے فسادات نے جو ابھی تک فرو نہیں ہوئے، مجھے بعید

پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا آغاز ایک خونریزی کی صورت اختیار کریگا اور یہ بدامنی ایسے نتائج پیدا کرے گی جو بے حد ناگوار ہونگے بعض لوگوں کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں اس بے چینی کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کی سوویت استوار ہو جائیگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ بہترین برطانوی واقفکار کو بھی اس امر کا قطعاً اندازہ نہیں کہ اس بظاہر پُرسکون سمندر کی گہرائیوں میں کیسے کیسے طوفان بیتاب ہیں۔ وہ ہندوستانی جو اعلیٰ مناصب پر فائز ہو کر برطانوی پالیسی کو قریب سے دیکھ سکتے ہیں متلاشیانِ روزگار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان میں کبھی کبھار چالاک و ہوشیار لوگ بھی نظر آجاتے ہیں۔ لیکن یہ طبقہ یکسر محروم بصیرت ہے۔ دُنیا بہ امید قائم ہے۔ خدا کرے بہتر حالات پیدا ہوں۔

میں یورپ، شمالی افریقہ، ترکی اور ہسپانیہ کی سیاحت کا قصد رکھتا ہوں۔ دو ایک ماہ میں قطعی فیصلے پر پہنچ سکوں گا۔

جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے، میں ایک اپیل شائع کرنے پر بخوشی آمادہ ہوں۔ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں

کی اعانت حاصل کریں۔ ایسی اپیل میں اُن کی شمولیت نہایت مؤثر ثابت ہو گی۔ کیا ہز ہائینس آغا خان اپنے طور پر نظام کو نہیں لکھ سکتے؟ اپیل پر اُن کے دستخط لازمی ہیں اور اپیل مصر و فلسطین کے زعماے فکر و عمل کے مشورے سے مرتب ہونی چاہیئے۔ میں نے ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر سے اس تحریک کی تائید میں پراپیگنڈا شروع کرنے کو کہا ہے۔ امید ہے، اس کے اخبار کے چند پرچے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہونگے۔ میرے خطبہ کے نسخے آئندہ ڈاک سے مرسل خدمت ہونگے۔ اور امید ہے اس خط کے ساتھ ہی مل جائینگے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک نسخہ پہلے بھی ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ (بابائے خلافت) شوکت علی نے ایک نوجوان انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے اور اب امریکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہندو اخبارات میں اس شادی پر خوب خوب تبصرے ہوئے ہیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مسلمانوں کی اعانت کے سلسلہ میں آپ کی کوششیں ہماری دلی احسان مندی کی حقدار ہیں۔

مخلص محمد اقبال

تحریر مابعد:۔

میں نے آج ہوائی ڈاک سے برطانوی "فیلسوف میکٹیگرٹ" پر ایک مقالہ بھیجا ہے۔ وہ کیمبرج میں میرے ماسٹر تھے اور قریباً دو سال ہوئے رحلت کر گئے۔ ان سے متعلق یہ مقالہ میں نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کی فرمائش پر لکھا ہے اور انڈین سوسائٹی جرنل میں شائع ہوگا۔ ممکن ہے اس میں آپ کے لئے کوئی چیز دلچسپی کی پائی جائے۔

(۲)————(۱۱۱)

لاہور

۲۷۔ فروری ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت ناموں کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ میں ۲۵۔ فروری کو لاہور پہنچا اور اس وقت ان کاموں کو نپٹا رہا ہوں جو میری غیر حاضری میں جمع ہو گئے تھے۔ آپ کا عنایت نامہ جس میں ڈیلی ایکسپریس کے تراشے ملفوف تھے کل شام ملا۔ تراشے میں نے اپنے نوٹ کے ساتھ فوراً

اخبارات میں بھیج دیئے۔ افسوس ہے خالد شیلڈرک صاحب نے انگلستان میں ایسے مرکز کے قیام کی مخالفت کی۔ مجھ تک یہی اطلاع پہنچی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے نیشنل لیگ کے متعلق بھی نازیبا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگر یہی حقیقت ہے تو افسوس ہے۔ بہر حال جو کچھ بن پڑے، ہمیں تو کرنا ہی چاہیئے۔ میں جلد وائسرائے سے ملنے دہلی جاؤں گا۔ سر اکبر حیدری نے تجویز کی تھی کہ میں حیدر آباد پہنچوں۔ میں ضرور جاؤں گا۔ لیکن فی الحال سر اکبر حیدری علیل ہیں۔ دورانِ سفر میں ایک حادثے میں اُن کا بازو ٹوٹ گیا۔ میں نے آج انہیں لکھا ہے۔ جواب موصول ہونے پر فیصلہ کروں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص
محمد اقبال

(۱۱۲)——————(۳)

لاہور

۲۔ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

مقامی مسلم انگریزی اخبار "ایسٹرن ٹائمز" کا ایک تراشہ ملفوف ہے۔ اُردو اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصّہ لیا ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۱۳)——————(۴)

لاہور

۱۶۔ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

امید ہے نیاز نامے شرفِ ملاحظہ حاصل کر چکے ہوں گے۔

میں آج صبح دہلی سے واپس پہنچا ہوں۔ وہاں ترکی کے پرنس حمی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی سکیم سے مختلف ایک منصوبہ اُن کے ذہن میں بھی ہے۔ جب وہ لنڈن پہنچیں تو بہتر ہوگا آپ اُن سے تبادلۂ خیال فرماویں۔ وہ ہندوستان سے وسط مارچ میں روانہ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ حیدرآباد کو اس مسئلہ سے دلی وابستگی ہے اور ان کی ایسوسی ایشن کے لئے ریاست کی طرف سے معقول سالانہ امداد کی منظوری نہایت اغلب ہے۔ ذاتی طور پر اُن کے منصوبے سے متعلق میرے دل میں شکوک تھے اور ہیں۔ فرصت ملی تفصیل سے لکھوں گا۔ اس وقت محض اطلاع مقصود ہے کیونکہ ان کے پراپیگنڈے کا اثر لازماً آپ کی سکیم پر پڑیگا۔

اگر لنڈن آنے کا اتفاق ہُوا تو آپ سے مفصّل گفتگو ہوگی۔ نہ آسکا تو آپ کو لکھونگا۔ میرا آنا یقینی نہیں کیونکہ جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہونے والے ہندوستانی مندوبین کی تعداد غالباً کم کردی جائیگی اور میں خواہ مخواہ دوسروں کے پیچھے بھاگے پھرنے کا عادی نہیں۔

مخلص محمد اقبال

(۱۱۴)——————(۵)

لاہور

۲۲- نومبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت ناموں کے لئے سراپا سپاس ہوں نیشنل لیگ کی بروقت سعی کے لئے دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ مجھے امید ہے کہ آپ حکومت کی احمقانہ فلسطینی حکمتِ عملی کے خلاف برطانوی رائے عامہ کو بیدار کرنے میں کامیاب ہونگی۔ "نجات دہندہ گاندھی" ایک کتاب ارسال خدمت ہے۔ آپ کو یاد ہوگا، آپ نے مجھے اے، این فیلڈ کی ایک کتاب دی تھی جس میں یہودی بین الاقوامی زرداروں کے ناپسندیدہ مشاغل کا تذکرہ تھا۔ جو کتاب آپ کو بھیج رہا ہوں، اس سے آپ کو فیلڈ کی کتاب کے مطالعہ سے معاشیات کے ایک ہندوستانی طالب علم کے ردعمل کا اندازہ ہوسکیگا۔ اُس کا خیال ہے گاندھی بین الاقوامی یہودی زرداروں کی سازش میں شامل اور ان کا ایجنٹ ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(۶)　　(۱۱۵)

لاہور۔

۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

عنایت نامہ کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ ہم سب آپ کے اور لارڈ لنگٹن کے فلسطینی عربوں کی نہایت ہی گراں قدر خدمات بجا لانے کے لئے دلی احسان مند ہیں۔ لنڈن میں آپ سے ۱۹۳۴ء ۱۹۳۵ء میں دوبارہ ملاقات میرے لئے بے حد مسرت کا موجب ہوگی۔ اکسفورڈ یونیورسٹی نے مجھے روڈز خطبات کے لئے دعوت دی ہے میں نے یہ دعوت قبول کرلی ہے۔ میں جس موضوع پر یہ خطبات دینا چاہتا ہوں وہ مشکل اور کافی تحقیق و تفتیش علمی کا طالب ہے اس لئے ممکن ہے آئندہ تین ماہ میں یہ کام انجام نہ پا سکے۔ بہرحال اپنے پروگرام سے آپ کو آگاہ کرونگا۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ گاندھی سیاسیات سے کنارہ کش ہوگئے ہیں اور اب بقولِ خود 'ہریجن ادھار' میں مصروف ہیں۔

پنڈت جواہر لعل اب ہندوستان کی کشتی کے ناخدا ہیں۔ اغلب ہے کہ ہندوستان کی سیاست اپنا رخ بدل لے اور شاید کومیونزم کے راستے پر پڑ لے۔ اس سلسلہ میں مزید گفتگو ملاقات پر ہوگی۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(۱۱۹)――――(۷)

لاہور

۲۸۔ جولائی ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن!

دونوں عنایت ناموں کے لئے جو پے بہ پے تازہ اور گذشتہ ڈاک سے موصول ہوئے ممنون ہوں۔ افسوس ہے میں اب تک علیل ہوں۔ مجھے گلے کی تکلیف ہے جس نے گذشتہ پانچ ماہ سے ڈاکٹری علاج کو وقفِ ناکامی کر رکھا ہے۔ ڈاکٹروں کی تشخیص کوئی صدری پیچیدگی ہے۔ وائنا میں علاج کا مشورہ دیتے ہیں۔

یہ بڑی ہی شومیٔ قسمت ہے۔ حیران ہوں کہ ۱۹۳۵ء میں انگلستان میں اپنی مصروفیات سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ اگر میرے ذرائع اس کے متحمل ہوئے تو وائنا میں چار پانچ ماہ قیام رہیگا۔ اس وقت ایک تجربہ کار دہلوی حکیم کے زیر علاج ہوں۔ وہ جلد صحتیابی کی امید دلاتے ہیں۔ کچھ دیر اور اُن کا علاج کرونگا۔ اگر اُن کا علاج ناکام رہا تو لارڈ لوتھین کو خطبات کے التوا کے لئے لکھونگا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اُن کے لئے پریشانی کا موجب ہوگا۔ لیکن کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ بول تو سکتا ہوں لیکن نہایت مدھم آواز میں۔ مقدمات کی پیروی اور جلسوں کی تقریر دونوں سے قاصر ہوں۔ میری بیوی اور بچّوں کو اس صورت حال سے شدید پریشانی لاحق ہے۔ مجھے ہمیشہ آپ کی پاک باطنی پر یقین رہا ہے میرے لئے دعا فرمائیے۔

ہندوستانی مسلمان عربوں کے لئے آپ کی خدمات کو بہ نظر ستائش دیکھتے ہیں۔ گزشتہ ہفتہ لارڈ لمنگٹن کا خط اخبارات میں بھیج دیا گیا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ نظام بخوشی اس مسئلہ میں

آپ کا ساتھ دیں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ملک معظم کی جوبلی کے سلسلہ میں انگلستان آ رہے ہیں۔ امید ہے آپ کو اُن سے ملاقات کا موقع ملے گا اور آپ اس عظیم الشان تحریک کی غایت اُن پر بالمشافہ واضح کر سکیں گے۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ نواب رام پور اور صاحب زادہ عبد الصمد صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ صاحب زادہ صاحب میرے دوست اور نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ نواب بھوپال بھی انگلستان میں ہیں۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اگر نہ ملی ہوں تو اُن سے ضرور ملئے۔ ملک معظم کی جوبلی کے سلسلہ میں تمام والیان ریاست ہائے ہند انگلستان میں ہونگے۔ اگر اس وقت میں بھی انگلستان پہنچ گیا تو اس کارِ عظیم میں آپ کی ہر ممکن اعانت سے دریغ نہ کروں گا۔ شیخ اصغر علی صاحب کا پتہ آپ کے خط سے ملا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کہیں یورپ میں ہیں۔ کئی ماہ ہوئے انہیں ایک خط بھی لکھا تھا لیکن جواب نہ ملا۔ شاید میرا خط اُن تک نہ پہنچا ہو۔

مخلص محمد اقبال

تحریر مابعد :-

سر ہنری لارنس نے قرطاس ابیض کی تجاویز پر ایک نہایت عمدہ کتابچہ شائع کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں طوفان پل رہے ہیں۔ ڈاکٹر ڈالفس کا قتل ایک خطرناک علامت ہے۔

لندن

۱۱۔ دسمبر ۱۹۰۷ء

عزیز علی بخش! بعد سلام کے واضح ہو کہ خط تمہارا پہنچا۔ حال معلوم ہُوا۔ میرے آنے میں ابھی چھ سات ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ امید ہے کہ اس وقت تک تم فارغ نہ رہو گے اور وہ کمی جو چوری سے ہو گئی ہے اُسے پورا کر لو گے۔ مجھے یہ سن کر بڑا افسوس ہُوا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو اس موقع پر ضرور تمہاری مدد کرتا۔

تم نے اپنی شادی کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ بہرحال انسان کو شادی سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ بیوی اور بچّوں کی پرورش کے واسطے اس کے پاس سامان ہے یا نہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی محنت

سے بیوی کو آسودہ رکھ سکو گے تو ضرور کر لو۔ شادی کرنا عین ثواب ہے اگر بیوی آسودہ رہ سکے۔ اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکتا ہو تو وہ شادی کر کے نہ صرف اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرتا ہے بلکہ ایک بے گناہ کو بھی لے ڈوبتا ہے۔

محمد اقبال

(منقول از نوائے وقت)

نوٹ۔ علی بخش ڈاکٹر صاحب مرحوم کا وہ ملازم ہے۔ جسے ڈاکٹر صاحب کی خدمت کی سعادت اُن کے دمِ آخر تک نصیب ہوئی۔

سید تقی کے نام

(۱۱۸)———(۱)

ڈیر سید تقی! السلام علیکم۔ آج مقام ...... کوٹ میں پہنچے گھوڑے کا سفر اور گھوڑے سے اکتائے تو اونٹ کا سفر خدا کی پناہ! پہلے روز ۳۷ میل سفر گھوڑے پر کیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن جو تکلیف محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو وہ لذیذ ہو جاتی ہے۔ فورٹ سنڈیمن ابھی یہاں سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پرسوں پہنچیں گے بشرطیکہ کوئی بارش نہ ہوئی۔ آج ...... کوٹ پہنچتے ہی بھائی صاحب کے متعلق خبر ملی۔ ان کو رائل انجنیر کوئٹہ کے تار پر تار دینے کی وجہ سے حراست سے نکال دیا ہے۔ اس نے متواتر تاریں دیں کہ ایک معزز افسر کو بغیر منظوری بظہلہ کیوں حراست میں دیا گیا ہے۔ انہی متواتر تاروں کے دوران میں وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی تبدیلی بھی ہو گئی ہے۔

سُنا ہے کہ اس مقدمے میں اس کی ہی شرارت تھی۔ خدا انجام بخیر کرے آپ مطمئن رہیں۔ امید ہے اس مقدمے کا نتیجہ بھائی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئٹہ کے حکام کو ان کی دیانت وغیرہ کا ثبوت کافی مل گیا۔ ایجنٹ کوئٹہ نے فورٹ سنڈیمن کے انجنیر کی فوراً تبدیلی کردی ہے۔ اس مقدمے کی ساری بنا عداوت پر ہے۔ مجھے سارے حالات ابھی معلوم نہیں ہوئے۔ تاہم جو کچھ معلوم ہوئے، ان سے یہی اندازہ کر سکا کہ اس کی تہ میں عداوت محض ہے۔ باقی خیریت ہے۔ آمیر کہاں ہے؟ خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کریں۔ مجھے بہت اضطراب ہے۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے۔ جتنا دُور رہ رہا ہوں، اتنا ہی میں اس سے قریب ہو رہا ہوں۔ والسلام۔ شیخ صاحب کی خدمت میں یہ تمام حالات عرض کردیں۔ والسلام

آپ کا

مخلص محمد اقبال

شاطر مدراسی کے نام

(۱۱۹) ——— (۱)

از لاہور گورنمنٹ کالج

۲۲- فروری ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرّم جناب شاطر صاحب!

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مع قصیدے کے پہنچا۔ اس قصیدے کا کچھ حصہ مخزن میں شائع ہو چکا ہے اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ہمارے ایک کرمفرما جالندھر میں ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں۔ اور اس کے اشعار کو انھوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے، ازبر یاد ہے۔

اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں۔ بندشیں صاف اور ستھری ہیں۔ اور اشعار کا اندرونی درد مصنف کے چوٹ کھائے

ہوئے دل کو نہایت نمایاں کرکے دکھا رہا ہے۔ انسان کی روح کی اصلی کیفیت "غم" ہے۔ خوشی ایک عارضی شے ہے۔ آپ کے اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ نے فطرتِ انسانی کے اس گہرے راز کو خوب سمجھا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس کے سُقموں سے آپ کو آگاہ کروں۔ میں آپ کے حسنِ ظن کا ممنون ہوں۔ مگر بخدا مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ آپ کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ سکوں۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ میرے اشعار کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے شاید میرے حق سے بڑھ کر مجھے داد دی ہے۔ میں آپ کے نوازش نامے کا ابتدائی حصہ پڑھ کر شرمندہ ہوتا ہوں اور آپ کی وسعتِ قلب پر حیران۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ بامراد رکھے۔

آپ کے خاندانی تعزز کا حال معلوم کرکے مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ آپ لوگ گذشتہ کاروانِ اسلام کی یادگاریں ہیں اور اس

وجہ سے ہر طرح واجب الاحترام اور قابل تعظیم ہیں۔
جس قصیدے کے ارسال کرنے کا وعدہ آپ فرماتے ہیں میں
اس کا شوق سے منتظر رہونگا۔ والسلام

آپ کا نیازمند
محمد اقبال از لاہور گورنمنٹ کالج
بھاٹی دروازہ

(۱۲۰)————(۲)

لاہور
۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم! السلام علیکم

نوازش نامہ موصول ہوا۔ مولانا حالی نے جو کچھ آپ کے اشعار کی نسبت تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ آپ کا اسلوب بیان واقعی نرالا ہے اور آپ کی صفائی زبان آپ کے ہم وطنوں کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ میرا خود خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے ہونگے۔ مگر یہ معلوم کرکے کہ آپ کی پرورش بچپن سے

مدراس میں ہوئی، مجھے بہت تعجب ہوا۔

مولانا حالی نے جو شعر پسند فرمایا ہے واقعی ہے۔ اور سوائے ایک شعر کے تمام قصیدے میں اس پائے کا کوئی اور شعر نہیں ہے۔ یعنی

جو شعر مولانا نے انتخاب کیا ہے، وہ شعریت میں اس شعر سے کہیں زیادہ ہے مگر مضمون کے اعتبار سے یہ شعر اُس سے بلند تر ہے۔

میرے خیال میں دونوں شعر ایک پائے کے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت اچھے اچھے اشعار آپ کے قصیدے میں موجود ہیں۔ مثلاً

اپنا اپنا ہے مقدر یال و پر کا کیا گناہ!
کوئی جل مرتا ہے بلبل کوئی ہوتا ہے شکار

اور یہ مصرع: —

ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی ناپائدار

یہ مضمون ٹینی سن مرحوم ملک الشعرائے انگلستان کے ایک شعر میں بھی بڑی خوبی سے ادا ہوا ہے۔ جن صاحب کو آپ کا قصیدہ ازبر ہے۔ ان کا نام پنڈت بھجو رام وکیل ہے۔

باقی خیریت ہے۔

آپ کا نیاز مند
محمد اقبال

(۱۲۱) ——— (۳)

سیالکوٹ شہر
۲۹۔ اگست ۱۹۰۸ء

مخدومی السلام علیکم

میں ایک دو روز کے لئے لاہور چلا گیا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مبارک کے لئے شکریہ دلی قبول کیجئے۔ اعجازِ عشق کے چند صفحے تحریر سے پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت

شرافت کے ساتھ دولت کمال سے بھی مالامال کیا ہے۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُعْطِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

میں آپ کے سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں۔ جب کبھی شائع ہوں، مجھے ایک کاپی عنایت فرما کر سپاس گزار فرمائیے۔ آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اور شعراء میں بہت شاذ پایا جاتا ہے۔ مولانا حالی، شبلی، شاد جیسے قادر الکلام بزرگوں سے دادِ سخنگوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں نے آپ کے حق میں تحریر فرمایا، وہ آپ کے لئے باعث افتخار ہے۔

میں ایک دو ماہ کے لئے سیالکوٹ مقیم رہونگا۔ اس کے بعد لاہور بیرسٹری کا کام شروع کرونگا۔ ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔

آپ میرے مجموعہ کلام کی نسبت دریافت کرتے ہیں اور میرا کلام کیا! نہ مجھے ان اوراقِ پریشاں جمع کرنے کی فرصت ہے نہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے۔ محض دو...

بہلانے کے لئے کبھی کبھی کچھ لکھتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔ گذشتہ تین سال سے بہت کم اتفاق شعرگوئی کا ہوتا ہے اور اب تو میں پیشہ ہی اس قسم کا اختیار کرنے (کو) ہوں جس کو شاعری سے کوئی نسبت نہیں

اگر آپ اعجازِ عشق میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سیّد میر حسن صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجئے۔ یہ بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں میں نے انہیں سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ والسّلام

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال

(۱۲۲) —————— (۴)

لاہور

۲۲۔ ستمبر ۲۹ء

مخدومی! السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ ایک کاپی ضمیمہ اعجازِ حق کی بھی موصول

ہوئی۔ جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ سبحان اللہ! آپ کا کلام سراپا اعجاز ہے۔ حکمت و فلسفہ۔ مجھے یقین ہے کہ ایک دن آپ کے اشعار کو حرزِ جان بنائیں گے۔ میری فارسی مثنویوں کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، آپ کی بندہ نوازی ہے۔ افسوس کہ دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے جو کچھ میں چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ بہرحال جو کچھ ہو گیا غنیمت ہے۔ اُردو اشعار کا مجموعہ ابھی شائع نہیں ہو سکا۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال بیرسٹر لاہور

سید نذیر نیازی کے نام

(۱۲۳)———(۱)

لاہور
۲۹ مئی ۳۲ء

ڈیر نیازی صاحب! السلام علیکم
میرے یورپ جانے کا ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ اگر گیا تو اسی اکتوبر ہی میں جاؤں گا۔ ورنہ انشاء اللہ آیندہ سال۔ ڈاکٹر جرمانوس کا خط مجھے بھی آیا تھا۔ اگر میں یورپ گیا تو ان سے بھی ضرور ملوں گا۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ آپ کی صحت اچھی نہیں آج کل کشمیر کا موسم نہایت عمدہ ہے اور غالباً وسط نومبر تک اچھا رہیگا۔ بعد میں زیادہ سردی ہو جائیگی۔ لنڈن Aristotelian Society نے مجھ سے کسی فلسفیانہ مضمون پر لیکچر دینے کی درخواست کی تھی جو کہ ختم کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے:—

Is Religion Possible

اگر خود گیا تو یہ لیکچر زبانی دیا جائے گا۔ ورنہ ڈاک میں بھیج دیا جائے گا۔

لیکچر کے لکھنے میں قریباً ایک ماہ صرف ہوا۔

Aristotelian Society لنڈن کی ایک مشہور اور پرانی سوسائٹی ہے اور بہت سے مغربی حکما دیکھ چکی ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صحت بخشے

یورپ کے متعلق جلد قطعی فیصلہ ہوگا تو آپ کو مطلع کرونگا۔

محمد اقبال

(۲)———(۱۲۴)

لاہور

۲۰۔جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ اوّل خوراک کا ۱/۴ حصہ دیا جاتا ہے میں خود محسوس

کرتا تھا ۔اسی واسطے میں نے لکھا تھا کہ دوائی کی طاقت ذرا زیادہ
کر دی جائے تو شاید فائدہ زیادہ ہو ۔مگر وہ بہتر سمجھتے ہیں۔اسی واسطے
ان کا ارشاد مقدّم ہے۔جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا دوائی کا
استعمال تو دیر تک رہیگا آواز جلد بہتر ہو جائیگی میں یہی چاہتا
ہوں کہ آواز میں جلد تبدیلی ہو تا کہ میں آیندہ پروگرام وضع
کرسکوں ۔کل جنوبی افریقہ سے دعوت آئی ہے اور وہاں کے مسلمان
مُصر ہیں کہ یہاں کا وعدہ ضروری ہے ۔گذشتہ ہفتہ ایک خط
جرمنی سے آیا ۔جس سے معلوم ہوُا کہ ترکی کی طرف سے بھی مجھ کو
دعوت دی جانے والی ہے ۔بہر حال میری خواہش ہے کہ اس جہان
سے رخصت ہونے سے پہلے

بر آور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے نالہ و آہ و فغانے

فالودہ پینے کو کبھی کبھی دل چاہتا ہے مگر حکیم صاحب سے پوچھنا
بھول گیا ۔آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیں۔
سردہ ابھی لاہور میں نہیں آیا ۔کابل میں سردے کا موسم اگست سے

شروع ہوگا۔ البتہ کوئٹہ (مستونگ) کا سردہ شاید مل جائے میں نے وہاں لکھوایا ہے۔ انجیر تازہ کی تلاش کراؤنگا۔ حکیم صاحب کے نسخے کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال فرمادیں یعنی وہ مطبوعہ کاغذ جس پر سبزی ترکاری وغیرہ کے استعمال کے متعلق ہدایات درج ہیں۔ آپ نے پبلشر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُن سے گفتگو کر کے مجھے مطلع کریں۔ تاکہ اگر اُن سے معاملہ طے نہ ہو تو کتابت طباعت کا انتظام یہاں شروع کر دیا جائے۔ لوگ اصرار کر رہے ہیں کہ کتاب جلد شائع کی جائے۔ اگر اور نہیں تو آپ اپنے ترجمہ کے متعلق ہی جلد فیصلہ اُن سے کر لیں۔

محمد اقبال

(۱۲۵) ——— (۳)

ڈیر نیازی صاحب!

ایک خط آج ہی لکھ چکا ہوں۔ ابھی ملک برکت علی صاحب سے ملاقات (ہوئی) جو شملہ گئے ہیں۔ شملہ میں میرے ایک مہربان خواجہ حبیب اللہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کشمیری گلقند بشرطیکہ بہت پرانی ہو، وہ کل کارڈ

کی تقویت کے لئے اکسیر ہے۔ پچاس سال کی پرانی گلقند خواجہ صاحب مذکور کے پاس موجود ہے۔ مہربانی کر کے حکیم صاحب سے ذکر کیجئے اور ان سے پوچھئے کہ وہ اس گلقند کے استعمال کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب بہت جلد آنا چاہیئے۔ نیز یہ بھی دریافت کیجئے کہ مرچ (سُرخ) مسالہ گوشت اور سبزی وغیرہ میں ڈالا جائے یا نہ؟ شہد (Honey) کے استعمال کے متعلق بھی ہدایت حاصل کیجئے۔

محمد اقبال

۶۔ جولائی ۳۴ء

(خطوط نمبر ۱۱۸ سے نمبر ۱۲۵ تک امروز کے اقبال نمبر بابت سال ۱۹۴۹ء سے شکریہ کے ساتھ منقول ہیں) مرتب

آل احمد سرور کے نام

(۱)————(۱۲۶)

لاہور

۱۲۔ مارچ ۱۹۳۷ء

جنابِ من!

میری آنکھوں میں پانی اُترنے کے آثار ہیں۔ ڈاکٹر لکھنے پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ جب تک اپریشن نہ ہو جائے معاف کیجئے گا، یہ خط اپنے ایک دوست سے لکھوا رہا ہوں۔

آپ کے دل میں جو باتیں پیدا ہوئی ہیں ان کا جواب بہت طویل ہے۔ اور میں بحالتِ موجودہ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں اگر میں کبھی علی گڑھ حاضر ہُوا یا آپ کبھی لاہور تشریف لائے تو انشاء اللہ زبانی گفتگو ہو گی۔ سرِدست مَیں دو چار باتیں عرض کرتا ہوں:—

(۱) میرے نزدیک فاشزم، کمونزم یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوعِ انسان کے لیئے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے حقائقِ اسلامیہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر آپ پُورے غور اور توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ انہیں نتائج تک پہنچیں، جن تک میں پہنچا ہوں۔ اس صورت میں غالباً آپ کے شکوک تمام کے تمام رفع ہو جائیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کا View مجھ سے مختلف ہو یا آپ خود دینِ اسلام کے حقائق کو ہی ناقص تصوّر کریں۔ اس دوسری صورت میں دوستانہ بحث ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہو۔

(۲) آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرے کلام کا بھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو میں آپ کو یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس طرف بھی توجہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سی باتیں خود بخود آپ کی سمجھ میں آجائینگی۔

(۳) مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اس میں آپ کو تناقض نظر آتا ہے۔ آپ درست فرماتے ہیں لیکن اگر اس بندۂ خدا میں Devil اور Saint دونوں کے خصوصیات جمع ہوں تو اس کا میں کیا علاج کروں۔ مسولینی سے اگر کبھی آپ کی ملاقات ہو۔ تو آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس کی نگاہ میں ایک ناممکن البیان تیزی ہے۔ جس کو شعاعِ آفتاب سے تعبیر کر سکتے ہیں کم از کم مجھ کو اسی قسم کا احساس ہوا۔

(۴) آپ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے لیکچرار ہیں۔ اس واسطے مجھے یقین ہے کہ لٹریچر کے اسالیب بیان سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ تیمور کی روح کو اپیل کرنے سے تیموریت کو زندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ وسطِ ایشیا کے ترکوں کو بیدار کرنا مقصود ہے۔ تیمور کی طرف اشارہ محض اسلوبِ بیان ہے۔ اسلوبِ بیان کو شاعر کا حقیقی View تصوّر کرنا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے اسالیب کی مثالیں دُنیا کے ہر لٹریچر میں موجود ہیں۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

نوٹ۔ یہ خط 'ماہ نو' سے شکریے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے
سرور صاحب نے یہ خط اقبال نامہ کے لئے مرحمت فرمانے کا
وعدہ کیا تھا لیکن خط دستیاب نہ ہوا اور وہ علی گڑھ سے لکھنو
چلے گئے اور میں واپس لاہور آگیا تو انہوں نے یہ خط ماہِ نو
میں شائع کرادیا۔

اقبال نے بالِ جبریل میں مسولینی کے زیرِ عنوان اس کی کامرانیوں
سے متاثر ہوکر چند وجد انگیز اشعار لکھے ہیں:۔

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارا لعلِ ناب

اسی انداز سے علامہ نے مسولینی کے کمالات گنوائے ہیں'
اور آخر میں اٹلی کو بتایا ہے کہ

فیض یہ کس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے
وہ کہ ہے جس کی نگاہ مثلِ شعاعِ آفتاب

(مرتب)

نیاز الدین خاں کے نام

(۱۲۷) ——— (۱)

مخدومی! السلام علیکم

آپ کے دونو خط مل گئے ہیں۔ نبی کریمؐ کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہئے۔ تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص دل کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ مولنا گرامی لاہور میں تشریف رکھتے ہیں۔ کبوتر موجود ہیں مگر مشکلوں سے بچے پالتے ہیں۔ بڑی دیر کے بعد ایک جوڑے نے بچوں کی پرورش کی ہے۔

مخلص محمد اقبال

لاہور

۱۴ جنوری ۱۹۲۳ء

(منقول از آفاق)

(۱۲۸) ——— (۲)

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے

مخدومی! السلام علیکم۔ والا نامہ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیئے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف، مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا

ہے مگر اس انداز سے کہ موحّد کی روح فنا ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ..... انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کمالِ شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے۔

"تمہید نیم خندِ تو مرگ ولائے تے"

اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل کا جواب ہوتا۔ اور اگر یہ مصرع خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے۔ البتہ پہلے مصرعے میں جو لفظ 'آں' ہے اُس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہیئے (عنوانِ آں نگاہِ) یہ مشورہ مولانا کی خدمت میں پیش کیجئے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ شعرِ مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا..... اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انہیں شک نہ رہتا۔ امید ہے

اُن کا روپیہ حیدر آباد سے آگیا ہوگا۔ لیکن اگر پریشانی اُن سے ایسے اشعار لکھواتی رہی تو اہل ذوق کو حضور نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجنی چاہیئے کہ اُن کا منصب بند کر دیا جائے۔

مخلص

محمد اقبال

۱۴- اپریل ۱۹۱۹ء

(منقول از آفاق)

محمد اکرام صاحب کے نام

(۱۲۹) —— (۱)

(انگریزی)

۲۷۔ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

آج صبح دہلی سے واپسی پر عنایت نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کے لئے ممنون ہوں۔ ہسپانیہ پر نظم یوں تو تمام تر زیر سوز ہے۔ لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں۔ میں اسے محفوظ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ اشعار اردو میں منتقل ہو سکیں۔ میں اپنی سیاحت اندلس سے بے حد لذت گیر ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی۔ الحمراء کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا

جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے مجھ سے درخواست کی کہ میں "ہسپانیہ اور عالم اسلام کا ذہنی ارتقا" کے زیر عنوان ایک لیکچر دوں۔ یہ لیکچر نہایت پسند کیا گیا۔ پروفیسر آسین نے جو Divine Comedy and Islam کے مصنّف ہیں بحیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں میری تعریف و توصیف میں خوب مبالغہ کیا۔ روڈز لیکچرز کے متعلّق مجھے ابھی کوئی اطلاع نہیں پہنچی۔ اکسفورڈ یونیورسٹی غالباً میرے چھ خطبات شائع کرنا چاہتی ہے۔ میں نے مسٹر ملفورڈ کی خدمت میں ایک نسخہ بھیج دیا ہے۔ لارڈ لودین ان خطبات کے متعلّق بڑی گرمجوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اور انگلستان میں ان کی طباعت و اشاعت کے آرزومند ہیں۔ چوہدری رحمت علی صاحب اور پیر صاحب کی خدمت میں جب اُن سے ملاقات ہو میرا سلام شوق پہنچا دیں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

تحریر مابعد:۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل قریب میں انگلستان آسکونگا یا نہیں۔

(۱۳۰)————(۲)

(انگریزی)

لاہور

۱۷۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

عنایت نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میں نے لارڈ لودین کی دعوت قبول کر لی ہے۔ میرا موضوع "فکرِ اسلامی میں تصورِ زمان و مکان" ہوگا۔ یہ ایک ادق موضوع ہے۔ اور ایسے مخطوطات کی مدد سے جن میں کم از کم بعض ابھی تک عدم پتہ ہیں کافی تفتیش و تحقیق کا طالب ہے۔ اس موضوع پر ابھی تک کسی نے خامہ فرسائی بھی نہیں کی ہے۔ بنابریں مجھے شک ہے کہ میں اُن خطبات کو تین چار ماہ تک جو مجھے ملے ہیں مکمل بھی کر سکوں گا یا نہیں۔ لہٰذا میں نے لارڈ لودین سے دریافت کیا ہے کہ آیا روڈز خطبات کے ٹرسٹیان ۱۹۳۴ء کے موسم سرما کے

بجائے ۱۹۳۵ء کے موسم سرما میں ان خطبات کے دینے کی اجازت دے سکیں گے؟ بجھے ۱۹۳۴ء کی جنوری کے اواخر یا اوائل فروری میں لکھئے۔ اس وقت میں آپ کو زیادہ قطعی اطلاع دے سکونگا۔ میں ان خطبات کے علاوہ جن کا میں نے ذمہ لے لیا ہے اکسفورڈ میں اور کوئی لیکچر نہیں دینا چاہتا۔ لیکن اسلامی موضوعات سے متعلق میں نجی اور غیر رسمی مذاکرات کے لئے ضرور آمادہ ہونگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۳۱)————(۳)

(انگریزی)

لاہور

۱۸۔ فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

عنایت نامہ ابھی ابھی موصول ہوا۔ جس کے لئے ممنون ہوں میں گوالیار نہیں جا رہا اور نہ ہی اس قسم کے اجتماعات میں شمولیت

پسند کرتا ہوں۔ روڈز خطبات امید ہے آئندہ سال (۱۹۳۸ء) اپریل یا مئی میں دے سکوں گا۔ اپریل ۱۹۳۸ء تک ہندوستان سے روانگی کا کوئی ارادہ نہیں۔

مخلص محمد اقبال

(۱۳۲) —— (۴)

(انگریزی)

لاہور

۲۔ مئی ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر اکرام!

پچھلی دفعہ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اپنی کتاب غالب نامہ اور سورت کے آم جن کی عمدگی کی آپ نے تعریف کی تھی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ آموں کا انتظار تو کر سکتا ہوں لیکن غالب نامہ کے ریویوز اخبارات میں دیکھنے کے بعد اس کے لئے بیتاب ہوں۔ جلد از جلد ایک نسخہ بھیج دیجئے۔

مخلص محمد اقبال

(۱۳۳)———(۵)

لاہور
۱۲- مئی ۱۹۳۶ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

عنایت نامے اور کتاب کے لئے جو اُس کے موصول ہونے کے ایک گھنٹہ بعد ملی، شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ نے مقدمہ کی تیاری اور غالب کی نظموں کی تاریخ وار ترتیب میں محنت و کاوش سے کام لیا ہے۔ بلاشبہ آپ نے غالب پر ایک نہایت عمدہ تصنیف پیش کی ہے۔ اگرچہ مجھے آپ کے چند نتائج سے اتفاق نہیں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ حضرت غالب کو اُردو نظم میں بیدل کی تقلید میں ناکامی ہوئی۔ غالب نے بیدل کے الفاظ کی نقالی ضرور کی لیکن بیدل کے معانی سے اس کا دامن تہی رہا۔ بیدل کا رہوار فکر اپنے ہم عصروں کے لئے ذرا اگریزپا تھا۔ اس امر کے ثبوت میں شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ ہند اور بیرونِ ہند کے معاصرینِ بیدل اور دوسرے دلدادگانِ نظم

فارسی بیدل کے نظریۂ حیات کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

مخلص

محمد اقبال

(۱۳۴)―――――(۶)

(انگریزی)

لاہور

۲۰۔جون ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

آموں کا پارسل پہنچا۔ نہایت ممنون ہوں۔ آم اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اگرچہ بدقسمتی سے شاید تفاوتِ آب و ہوا یا لاہور کی شدید گرمی کی وجہ سے اُن کے ذائقے میں فرق آگیا ہے۔

مخلص

محمد اقبال

خان بہادر عبدالرحمٰن چغتائی کے نام

(۱۳۵)———(۱)

لاہور

۲۴- اپریل ۲۵ء

ڈیر مسٹر عبدالرحمٰن! السلام علیکم

آپ کی والدہ ماجدہ کے انتقال کی خبر زمیندار میں پڑھ کر بہت رنج ہوا- خدا تعالے ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو اور ماسٹر عبداللہ صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے -

عید کے موقع پر یہ صدمہ اور بھی دردناک ہے مگر

زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

محمد اقبال

(۱۳۶)———(۲)

لاہور

۸-جنوری ۲۶ء

ڈیر مسٹر عبد الرحمٰن!

افسوس ہے کہ لدھیانے سے کوئی تصویر یا آئینہ نہیں ملا۔ اس واسطے آپ مہربانی کر کے اسی تصویر سے انلارج کریں اور اگر انلارج نہ ہو سکتی ہو تو وہ تصویر ماسٹر عبد اللہ صاحب کے ہمدست ارسال فرمائیے کہ لدھیانے واپس بھیجی جائے۔

محمد اقبال۔ لاہور

ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی کے نام

(۱۳۷)————(۱)

۲۳۔ اگست ۲۵ء

ڈیر ماسٹر صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی مل گیا تھا۔ میں نے انڈین ریویو کا مضمون دیکھا ہے۔ تصویر طالب علمی کے زمانے کی ہے مضمون میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ آپ اپنا اُردو ترجمہ ابھی شائع نہ کریں۔ باقی خیریت ہے۔ بخدمت برادرم غلام محمد سلام علیکم

میں بھی انشاء اللہ شملہ آؤں گا مگر چند روز کے بعد۔

محمد اقبال لاہور

(۱۳۸)———(۲)

۵۔ اگست ۱۹۲۶ء

ڈیر ماسٹر صاحب!

آپ کے پاس راغب اصفہانی کی مفردات ہو تو چند روز کے لئے بھیج دیجئے یا خود لے کر آئیے۔ لفظ "سلطان" اور "شان" جو سورۃ الرحمٰن میں واقع ہوئے ہیں۔ ان کے معانی دیکھنا مطلوب ہیں

محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(۱۳۹)———(۳)

۷۔ ستمبر ۲۶ء

ڈیر ماسٹر صاحب! السلام علیکم

اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی چھپا ہوا مجموعہ ہو تو ایک دو روز کے لئے مرحمت کیجئے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا کوئی مجموعہ نہ ہو تو چند مشہور تصاویر کے نام ہی سہی۔ ان کے ساتھ ان کا مضمون بھی ہونا ضروری

ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مصوّر بالعموم کیسے
مضامین اپنے فن کی نمائش کے لئے انتخاب کرتے ہیں۔
بنگال اسکول کی تصاویر کے نام خاص کر چاہیئے۔ اس کے علاوہ
نقلوں کے آرٹ پر اگر کوئی کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ لائیے۔

محمد اقبال لاہور

(۱۴۰)————(۴)

۲۴۔ فروری ۲۷ء

جناب ماسٹر صاحب!

آپ کے چلے جانے کے بعد اس تصویر پر غور کرتا رہا جس
کے متعلق ہم دیر تک بحث کرتے رہے تھے۔ میری رائے میں
شاید اس تصویر میں یورپ کی تصویر انٹروڈیوس کرنے کی ضرورت
نہیں ہے۔ عبدالرحمٰن پھر آئیں گے تو ان سے مفصل گفتگو ہوگی۔

محمد اقبال لاہور

(۱۴۱)———(۵)

۲۰- اپریل ۲۷ء

ڈیر ماسٹر صاحب! السلام علیکم

کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ مسٹر محمد یعقوب ہر روز کسی ایسے وقت جو اُن کے لئے اور میرے لئے موزوں ہو یہاں آیا کریں۔ آپ نے آج صبح بتایا تھا کہ وہ ۷۔ مئی کو شملہ جانے والے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ اُن کے جانے سے پہلے جس قدر میں لکھوا سکوں، لکھا لیا جائے۔ مہربانی کر کے اُن سے دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیے بلکہ بہتر ہو کہ ان کو ساتھ لے آئیے۔ تاکہ زبانی گفتگو ہو جائے۔ شاید چار بجے کے بعد وہ آ سکتے ہوں گے۔ میں ان سے پہلا لکچر جو دیباچے کے طور پہ ہوگا لکھوانا شروع کروں گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ دسمبر تک سب لکچر ختم ہو جائیں۔ ان کے جانے کے بعد کسی اور شارٹ ہینڈ رائٹر کو بلا لیا جائیگا۔

محمد اقبال لاہور

(۱۴۲)————(۶)

ڈیر ماسٹر صاحب! السلام علیکم

اگر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا کالج لائبریری میں ہو تو لیتے آئیے۔ اس جلد کی ضرورت ہے جس میں عراق کا تذکرہ ہے غالباً دوسری جلد ہے۔

محمد اقبال

(۱۴۳)————(۷)

۷-اپریل ۲۷ء

لاہور

جناب ماسٹر صاحب! السلام علیکم

آپ نے کتاب Art and the Unconscious بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے حافظے سے یہ بات اُتر گئی۔ مہربانی کر کے جلد بھجوائیے۔

محمد اقبال لاہور

(۱۴۴)————(۸)

لاہور

۲۹- اپریل ۱۹۲۷ء

مائی ڈیر ماسٹر عبداللہ صاحب

السلام علیکم۔ میں یہ سطور آپ کی یاددہانی کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔ آپ نے یونیورسٹی لائبریری سے Medieval سائنس پر ایک کتاب نکلوا کر مجھے ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا تھا میں اُس کا منتظر ہوں۔

آپ کا محمد اقبال

(۱۴۵)————(۹)

لاہور

۲۱- مئی ۲۷ء

ڈیر ماسٹر صاحب!

میری بیوی دفعتہً بہت بیمار ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے آج میں مذاکرہ طلبتیہ کے جلسے میں جو شام کو اسلامیہ کالج گراؤنڈ میں میرے

زیر صدارت ہونے والا ہے حاضر نہیں ہو سکوں گا۔ مجھے معلوم نہیں کس کو لکھوں۔ نہ انجمن طلبیہ کے سیکرٹری کا نام معلوم ہے، نہ اُن کا پتہ معلوم ہے۔ شاید وہ آپ کے اسلامیہ کالج کے طبیہ کلاس کے پروفیسر ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو مہربانی کر کے آپ ان کو اسی وقت اطلاع دے دیں کہ میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔ اگر وہ صاحب کالج میں پروفیسر نہیں ہیں تو مہربانی کر کے ان کا نشان معلوم کر کے انہیں مطلع فرمائیے۔ جلسے کا وقت شام کا ہے اور اسی وقت ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں۔ کل بخار ۱۰۲ درجے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ آج دیکھئے کیا حالت رہتی ہے۔ اس تردد و فکر کی حالت میں جلسے میں جاکر تقریر کرنا میرے لئے مشکل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں میرا یہاں ہونا ضروری ہے۔

محمد اقبال

(۱۴۶)——————(۱۰)

۲۲۔ اکتوبر ۲۷ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

آپ فصوص الحکم کا قلمی نسخہ جو آپ کے پاس ہے ایک دن کے لئے مرحمت فرمائیے اور اس کارڈ کے دیکھتے ہی مجھ تک پہنچا دیجئے۔

محمد اقبال لاہور

(۱۴۷)——————(۱۱)

۲۳۔ اکتوبر ۲۹ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

"مرقع چغتائی" کی ایک کاپی جو عبدالرحمٰن صاحب نے بھیجی ہے مجھے مل گئی ہے۔ مگر یہ کتاب بیش قیمت ہے۔ اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی جگہ دوسری ایڈیشن کی کاپی ہدیتہً مجھے دے دیں اور اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔

اس کے علاوہ یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا آپ نے میری تصویر کا بلاک حاصل کر لیا یا؟ - مہربانی کر کے اس کام کو جلد کریے - کاغذ کے لئے آرڈر دے دیا گیا ہے - ٹیٹا گڑھ ملز سے منگوایا جائے گا - کتاب کی طباعت عنقریب شروع ہو گی - آپ کا کارڈ بھی مل گیا تھا -

محمد اقبال لاہور

(۱۴۸)———(۱۲)

۳ - نومبر ۳۱ء

۱۱۲ - اے سینٹ جیمز کورٹ

لندن

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

السلام علیکم - آپ کا خط مل گیا ہے - الحمدللہ کہ لاہور میں سب طرح خیریت ہے - آپ کا خط غلام رسول مہر صاحب کو دیدیا جائیگا یہ دن بہت مصروفیت کے گذرے - مینارٹی کمیٹی کی میٹنگ تین

دفعہ ہوئی اور تینوں دفعہ پرائیویٹ گفتگوئے مصالحت کے لئے ملتوی ہو گئی۔ پرائیویٹ گفتگو بہت ہوئی مگر اب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔ اب مینارٹی کمیٹی کی میٹنگ جس کا میں ممبر ہوں شاید ۱۱۔ نومبر کو ہو۔ اس میں بھی کچھ نہ ہو سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مینارٹی کا کام محض مصالحت کی کوشش ہے۔ یہ کوشش کی گئی۔ جس کا نتیجہ اس وقت تک کچھ نہیں ہوا۔

شاید ۲۰۔ نومبر تک ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ روما جانے کا بھی قصد ہے۔ اس کے بعد وقت ہوا تو مصر اور فلسطین بھی
عبدالرحمٰن چغتائی صاحب اور تاثیر صاحب کو سلام کہیے۔

محمد اقبال

(۱۴۹)————(۱۳)

۲۰۔ اکتوبر ۳۶ء

ڈیر ماسٹر صاحب

مولوی ابو مصلح صاحب کا پتہ مجھے معلوم نہیں۔ اس واسطے

آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔ ان کی خدمت میں عرض کیجئے کہ مجھے اس کتاب کی ضرورت ہے جس میں انہوں نے بچّوں کو قرآن پڑھانے کا نیا طریق ایجاد کیا ہے۔ جس روز آپ کی معیّت میں وہ مجھ سے ملے تھے۔ اسی روز اُس کتاب یا قاعدہ کا ذکر کیا تھا۔ اُس قاعدہ کی جاوید کے لئے ضرورت ہے۔

محمد اقبال لاہور
۶۔ اکتوبر ۳۶ء

(۱۵۰)————(۱۴)

۱۳۔ جون ۳۷ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ چغتائی!

آپ کا خط ملا۔ علمی مشاغل میں مصروف رہنا آپ کو مبارک ہو۔ میری صحت بہ نسبت سابق بہتر ہے۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی ایک دائم المریض کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تاہم صابر اور شاکر ہوں۔ انشاء اللہ جب موت آئے گی تو مجھے متبسّم پائے گی۔ قصد تو یہ تھا

کہ زندگی کے باقی دن جرمنی اور اٹلی میں گزار دوں ۔ مگر بچّوں کی تربیت کس پر چھوڑوں، خصوصاً جبکہ میں ان کی مرحوم ماں سے یہ عہد کر چکا ہوں کہ جب تک یہ بالغ نہ ہو جائیں ان کو اپنی نظر سے اوجھل نہ کروں ۔ ان حالات میں یورپ کا سفر اور وہاں کی اقامت ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے ۔ اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو زیادہ سے زیادہ مکہ ہوتا ہُوا ممکن ہے مدینہ تک پہنچ سکوں ۔ اب مجھ ایسے گنہگاروں کے لئے آستانِ رسالت کے سوا اور کہاں جائے پناہ ہے ۔

اٹلین زبان میں جن مضامین کا آپ نے ذکر کیا ہے، افسوس ہے مجھے ان کا علم نہیں ۔ اگر ممکن ہو تو ان کا انگریزی میں ترجمہ کروا کر بھیج دیجئے ۔ ترجمہ اور ٹائپ کا خرچ میں ادا کروں گا ۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ دونوں رسالے جن میں یہ مضامین شائع ہوئے ہیں ۔ بھیج دیجئے ۔ میں ان کا یہاں ترجمہ کروانے کی کوشش کرونگا ۔ اور جب آپ یورپ سے واپس آئیں گے تو دونوں رسالے آپ کے حوالے کر دونگا ۔

ڈیکارٹ پر مضمون لکھنے کی اب مجھ میں ہمّت باقی نہیں رہی
اگر آپ کو پیرس میں نوجوان عمر کا سکالر مل جائے تو اس سے یہ کہنا
کہ ڈیکارٹ کی مشہور کتاب Method کا امام غزالی کی
احیاء العلوم سے مقابلہ کریں۔ اور یورپ والوں کو دکھائے کہ ڈیکارٹ
آرٹ اپنے اس .Method کے لئے جس نے یورپ میں نئے
علوم کی بنیاد رکھی، کہاں تک مسلمانوں کا ممنونِ احسان ہے مغربی
فلسفہ کا مؤرخ .Lawss تو یہ لکھتا ہے کہ اگر ڈیکارٹ عربی
زبان کا عالم ہوتا تو ہم اسے غزالی کی احیاء العلوم سے چوری کرنے
کا الزام لگاتے۔ لیکن اٹلی کا مشہور شاعر ڈانٹے بھی تو شاید عربی
نہ جانتا تھا۔ لیکن اس کی کتاب Dunte Comedy شاید
محی الدین عربی کے افکار و تخیلات سے لبریز ہے حقیقت یہ ہے
کہ مسلمانوں کے نتائجِ افکار عام طور پر یورپ میں مشہور تھے
اور یورپ کے بڑے بڑے مفکر اور تعلیم یافتہ آدمی خواہ وہ عربی
جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، عام طور پر اسلامی تخیلات سے
آشنا تھے۔

انگریزی کتابوں میں ہم ہندی مسلمانوں کو یہ سکھایا ہے کہ منطق استقرائی کا موجد بیکن (Bacon) تھا۔ لیکن فلسفۂ اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ یورپ میں اس سے بڑا جھوٹ آج تک نہیں بولا گیا۔ ارسطو کی منطق کی شکل اوّل پر سب سے پہلے اعتراض کرنے والا ایک مسلمان منطقی تھا۔ یہی اعتراض John Stuart Mill کی کتابوں میں دہرایا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کا استقرائی طریق بیکن سے مدتوں پہلے سارے یورپ کو معلوم تھا۔

محمود خضیری سے میں سپین میں ملا تھا۔ وہ اُس وقت فقہ اسلامیہ پر ریسرچ کر رہے تھے۔ نہایت نیک نوجوان ہیں۔ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ نصیر الدین طوسی پر مقالہ پڑھیں گے۔ ان سے کہیئے کہ نصیر الدین طوسی کی تحریروں کا وہ حصہ جس میں طوسی نے Euclid کے Parallel Postulate کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، بالخصوص مطالعہ کریں، بلکہ اسی ضمن میں اُن کے معاصرین کی تحریروں کا مطالعہ بھی کریں۔ اس تحقیق سے ان کو معلوم ہو گا کہ مسلمان ریاضی دان قرون وسطیٰ

میں ہی اس نتیجہ تک پہنچ چکے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ مکان کے ابعاد (Dimensions) تین سے زیادہ ہوں۔ اور ہمارے اسلامی صوفیہ تو ایک مدت سے تعدد زمان و مکان کے قائل ہیں۔ یہ خیال یورپ میں سب سے پہلے جرمنی کے فلسفی Kant نے پیدا کیا تھا۔ لیکن مسلمان صوفیہ اس سے پانچ چھ سو سال پہلے اس نکتہ سے آشنا تھے۔ عراقی کے رسالے کا قلمی نسخہ غالباً ہندوستان میں موجود ہے۔ اور میں نے ان کے ایک رسالہ کا جو خاص طور پہ زمان اور مکان پر ہے، اپنے لیکچروں میں ملخّص بھی دیا ہے۔ اگر محمود خضیری بھی اس مضمون پر ریسرچ کریں تو مجھ کو یقین ہے کہ یورپ میں نام پیدا کریں گے۔

امیر شکیب ارسلان کو اگر آپ خط لکھیں تو میرا سلام ضرور لکھئے۔ میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے۔ افسوس ہے کہ قیام یورپ کے زمانہ میں باوجود کوشش کے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ان سے یہ بھی دریافت کر کے مجھے اطلاع دیں کہ سیّد ضیاء الدین طباطبائی آج کل کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اقبال

شیدائی اور ان کی بیگم صاحبہ کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہیئے۔ اُن کی بیگم صاحبہ کا قصد تھا کہ وہ اپنی میڈیکل تعلیم ختم کرنے کے بعد ہندوستان آ کر پریکٹس کریں گی۔ معلوم نہیں اُن کے اس ارادہ کا کیا حشر ہُوا۔ ہاں خالدہ ادیب خانم سے بھی میرا بہت بہت سلام کہیئے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ علی بخش آپ کو سلام کہتا ہے۔ ماسٹر عبدالرحمٰن چغتائی تو شاید انگلستان میں ہیں۔ کیا انہوں نے وہاں اپنی تصویروں کی کوئی نمائش کی ہے؟

یہ خط ایک دوست کے ہاتھ سے لکھوایا ہے کہ میں اب اپنے ہاتھ سے بہت کم خط لکھتا ہوں۔

محمد اقبال

(۱۵۱)——————(۱۵)

لاہور

۱۱۔ اگست ۳۷ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ بخیریت ہیں۔ چغتائی

صاحب سُنا ہے کہ لاہور پہنچ گئے ہیں۔ لیکن مجھ سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کے ذہن میں جو تجویز ہے اُس کے معلوم ہونے پر آپ کے لئے ظاہر کر سکوں گا۔

اٹالین رسالوں کے مضامین کا انگریزی ترجمہ بہت جلد ارسال کیجئے۔ بلکہ اصلی رسالے بھی ترجمہ کے ساتھ بھیج دیجئے۔ یہ دونوں رسالے محفوظ رکھے جائیں گے اور جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کو دے دئے جائیں گے یا اگر آپ چاہیں تو ان کو بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھیج دیا جائیگا۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ شیدائی صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ سلام قبول کریں۔ لاہور میں سخت گرمی ہے۔ ساون کا مہینہ غیر معمولی طور پر خشک گذرا ہے۔ آج کل پیرس میں خوب موسم ہوگا۔ قادیان کے احمدیوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے اور خلیفۂ قادیان پر ان کے باغی مریدوں کی ایک جماعت نے نہایت فحش الزام لگائے ہیں۔ نقضِ امن کے احتمال سے وہاں کل سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا ہے۔

سیّد راس مسعود وزیر معارف بھوپال دفعتہً اس جہانِ فانی سے انتقال فرما گئے۔ خدائے تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ بڑے مخلص اور دردمند آدمی تھے۔ پروفیسر Massignon سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔

والسلام

محمد اقبال

(۱۵۲)————(۱۶)

ڈیر ماسٹر صاحب!

آپ کے دونوں خط مل گئے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ دونوں خطوط میں اطالوی رسالوں کے مضامین کے ترجمے کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ نے نہ تو رسالے بھیجے نہ اُن کا ترجمہ بھیجا۔ حالانکہ میں نے آپ کو کہہ دیا تھا کہ اگر ترجمہ نہیں ہو سکتا تو رسالے بھیج دیجئے۔ جو بہ کمال

حفاظت آپ کو واپس کر دئیے جائیں گے۔ بہرحال ان رسالوں کا یا اُن کے تراجم کا شدید انتظار ہے۔

مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دُنیائے اسلام کے اچھّے اچھّے آدمیوں سے آپ کی ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ ان سے آپ کی معلومات میں بہت اضافہ ہوگا۔ دُنیائے اسلام میں ایک ذہنی انقلاب کے آثار پیدا ہیں۔ مگر یہ قومیں ابھی تک اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں اُلجھی ہوئی ہیں۔ ان مشکلات کے خاتمے پر ذہنی انقلاب کا آغاز یقینی ہے اور اُس وقت تک امید ہے کہ ایسے آدمی پیدا ہو جائیں گے جو اس انقلاب کی صحیح رہنمائی کر سکیں گے۔

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ یورپ میں ابھی جنگ نہ ہوگی یہاں کے اخباروں میں جو خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اُن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب یورپ میں جنگ کی آگ بھڑک اُٹھنے والی ہے۔

یورپ کی قوموں نے ایک اعلیٰ کلچر کی بنیاد رکھی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کا عمل اس کلچر کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس واسطے

اغلب ہے کہ یہ کلچر بیکار ہو کر یورپ میں فنا ہو جائے گا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ خدا کے فضل و کرم سے سب طرح خیریت ہے۔
آپ کے بھائی چغتائی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔
علی بخش سلام کہتا ہے۔

محمد اقبال

رسالے یا اُن کے تراجم بھیجنے کی تاکید مزید ہے۔

(۱۵۳)———(۱۷)

ڈیر ماسٹر صاحب

ڈانٹے کی ڈوائن کامیڈی (Dunte Comedy) کالج لائبریری سے لے کر ایک دو روز کے لئے بھجوا دیجئے۔
اور Hell کی ضرورت نہیں ہے۔

محمد اقبال

نوٹ۔ اس تحریر پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

(۱۵۴)——(۱۸)

۷۔جنوری ۲۹ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ!

تمام لاہور میں اس بات کا چرچا ہے کہ ماسٹر عبداللہ اعلان آزادی کے خوف سے کہیں بھاگ گئے ہیں۔کیا یہ واقعی درست ہے؟

محمد اقبال لاہور
۷۔جنوری ۲۹ء

(۱۵۵)——(۱۹)

۵۔جون ۳۰ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ

آپ نے Lane کی ڈکشنری کا اقتباس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا جس کا میں اب تک منتظر ہوں۔

محمد اقبال

مولانا اختر شیرانی کے نام

(۱۵۶)——(۱)

[یہ خط اشعار خاقانی سے متعلق ہے جو علامہ اقبال نے ماسٹر عبداللہ کی وساطت سے شیرانی صاحب کو بھیجا (مرتب)]

ڈیر شیرانی صاحب!

میں کل کابل جا رہا ہوں۔ اس واسطے فرصت نہیں ہے۔ آپ مہربانی کر کے اس خط کا جواب راقم کو دے دیں اور ان کو یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں۔ اس واسطے خود جواب نہ لکھ سکا۔

محمد اقبال

خواجہ حسن نظامی کے نام

(۱۵۷)　　(۱)

مکرمی سید صاحب زاد عمرہٗ

دو دفعہ پیسہ اخبار میں مَیں نے وہ خبر پڑھی جسے پڑھ کر لاہور کے تمام دوستوں کو بے انتہا تشویش تھی۔ مگر قدرت خدا کی مجھے مطلق رنج نہ ہوا۔ اور اسی بنا پر جس دوست نے مجھ سے پوچھا میں نے بے تکلف کہہ دیا کہ خبر غلط ہے۔ الحمدللہ کہ ایسا ہی ثابت ہوا۔ اور میں لاہور کے احباب میں مفت کا صوفی مشہور ہو گیا۔ ایسی خبریں زیادتی عمر کی علامت ہیں۔ میری نسبت بھی لاہور میں اسی قسم کی خبریں مشہور ہو گئی تھیں۔ والسلام۔

اس خبر سے کم از کم یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملک کو آپ کی کس قدر ضرورت ہے۔ انشاءاللہ میں بھی تعطیلوں میں اگر ممکن ہوا تو آپ سے

دہلی ملوں گا۔

میں کچھ دنوں کے لئے لاہور سے باہر تھا۔ اس واسطے آپکے کارڈ کا جواب نہ لکھ سکا۔

راقم آپ کا مفتون
اقبال از لاہور
۲۲- جولائی ۱۹۰۴ء

(۱۵۸)————(۲)

از کیمبرج، ٹرینٹی کالج
۹- اکتوبر ۱۹۰۵ء

اسرار قدیم سید حسن نظامی

ایک خط اس سے پہلے ارسال کر چکا ہوں۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظہ عالی سے گذرا ہوگا۔

خط کے جواب کا انتظار ہے اور بڑی شدت کے ساتھ۔

اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوف کے متعلق ہوں اُن کا پتہ دیجئے۔

سپارہ اور رکوع کا پتہ لکھئے۔ اس بارہ میں آپ قاری شاہ سلیمان صاحب پھلواری اور صاحب سے مشورہ کر کے مجھے بہت جلد مفصل جواب دیں۔ اس مضمون کا لکھنا ضرورت ہے اور یہ گویا آپ کا کام ہے۔

قاری شاہ سلیمان صاحب کی خدمت میں میرا بھی خط بھیج دیجئے اور میرا التماس دعا عرض کیجئے کہ میرے لئے یہ زحمت گوارا کریں اور مہربانی کر کے مطلوبہ قرآنی آیات کا پتہ دیویں۔

اگر قاری صاحب موصوف کو یہ ثابت کرنا ہو کہ مسئلہ وحدۃ الوجود یعنی تصوف کا اصل مسئلہ قرآن کی آیات سے نکلتا ہے تو وہ کون کون سی آیات پیش کر سکتے ہیں اور ان کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟ کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ تاریخی طور پر اسلام کو تصوف سے تعلق ہے۔ کیا حضرت علی مرتضےٰ کو کوئی خاص پوشیدہ تعلیم دی گئی تھی؟ غرضکہ اس امر کا جواب معقولی اور منقولی اور تاریخی طور پر مفصل چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ ذخیرہ اس امر کے متعلق موجود ہے مگر آپ سے اور قاری صاحب سے جواب ضروری

ہے۔ آپ اپنے کسی اور صوفی دوست سے بھی مشورہ کر سکتے ہیں مگر جواب جلد آئے۔ باقی خیریت ہے۔

اقبال

(۱۵۹)————(۳)

۸۶ء

پُراسرار نظامی! کارڈ ابھی ملا۔ اس سے پہلے آپ کا نوازش نامہ نہیں ملا۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کا خط آئے اور میں جواب نہ دوں۔

الاحسان کے دو نمبر بھی کل موصول ہوئے۔ خوب اور بہت خوب ہے۔ کس قدر تغیر ہے! ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مضمون پر بات [illegible] دلِ طریقت تھا۔ اب یہ زمانہ ہے کہ ماہوار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ اس کی ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ لیکن [illegible] آپ بھی [illegible] ہو کر کے اسے مشہور کرنے لگے۔

اب [illegible] شہرت کی سوجھی ہے انھیں دیکھے کوئی
[illegible] جس دم غبار کوئے رسوائی ہوا

اقبال۔ لاہور

(۱۶۰)————(۴)

۲۵- اپریل ۱۹۰۶ء

سرمست سیاح کو سلام؛ متھرا- ہردوار- جگن ناتھ- امرناتھ جی سب کی سیر کی مبارک ہو- مگر بنارس جا کر لیلام ہو گئے- کیوں ٹھیک ہے نا- بلکہ ہمارے میر صاحب نیرنگ اور اکرام کو بھی ساتھ لے ڈوبے-

میرے پہلو میں ایک چھوٹا سا بت خانہ ہے کہ ہر بُت اس صنمکدے کا رشک صنعت آذری ہے- اس پرانے مکان کی کبھی سیر کی ہے خدا کی قسم، بنارس کا بازار فراموش کر جاؤ- میں تو ہر قدم پر آپ کو یاد آتا تھا- کیوں نہ یاد آؤں- آپ بھی ہم کو یہاں عموماً یاد آیا کرتے ہیں- والسلام

آپ کا

محمد اقبال

(۱۶۱) ——————— (۵)

لنڈن

۱۰۔ فروری ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط اور "رام کرشن" دونوں چیزیں پہنچیں خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ مجھے کبھی کبھی یاد فرما لیا کرتے ہیں۔ افسوس کہ جرمنی کے پتہ پر جو خط آپ نے لکھا وہ نہ پہنچا۔ بمبئی سے آپ کا ایک خط آیا تھا۔ اس کا جواب اسی پتہ پر لکھا تھا۔ معلوم نہیں، پہنچا یا نہیں پہنچا۔ "رام کشن" نہایت عمدہ ہے۔ جو طریق اشاعت مذہب حقہ کا آپ نے اختیار کیا ہے، مجھے اس سے پوری ہمدردی ہے۔ مسٹر آرنلڈ صاحب بہادر سے آج اس کا ذکر آیا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی کتاب مجھ سے لے لی کہتے تھے کہ میں نے ہندوستان میں بہت کوشش کی کہ سلسلۂ نظامیہ نے جو کوشش اشاعت اسلام میں کی ہو، اس کی تاریخی شہادت ملے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اگر آپ کے خاندان میں اس مضمون پر کوئی کتاب محفوظ چلی آتی ہو تو آگاہ کیجیے۔ اس کے علاوہ اُن کی

یہ خواہش ہے کہ ایک کاپی اس کتاب کی ملے جو آپ کے کسی دوست نے "کلکی پران" کے متعلق لکھی ہو، اور جس کا ذکر آپ نے اس چھوٹی سی کتاب میں کیا ہے۔ مسٹر آرنلڈ کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوؤں میں اسلام پھیلانے کے لیئے کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی۔ اور اب وقت ہے کہ ایسا کیا جائے۔ اس میں ہندوستان کیا، ساری دُنیا کا بھلا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ میری کامیابیوں پر جو لوگ آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، راستی پر ہیں۔ مجھ میں اور آپ میں فرق ہی کیا ہے۔ دیکھنے کو دو، حقیقت میں ایک۔ انگلستان میں مَیں نے اسلامی مذہب و تمدن پر لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا "اسلامی تصوّف" پر فروری کے تیسرے ہفتہ میں ہوگا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہونگے "مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر" "اسلامی جمہوریت" "اسلام اور عقل انسانی" وغیرہ۔ تمام دوستوں کی خدمت میں آداب کہیئے اور میرے لئے درگاہ شریف پر دعا کیجیئے۔

آپ کا اقبال

(۱۶۲)―――――(۶)

پیارے نظامی!

آپ کا کارڈ پہنچا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہو گئے۔ کئی دنوں کی بیماری کے بعد کل بستر بیماری سے اٹھا ہوں۔ مفصّل خط پھر لکھوں گا۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ بعض لوگ آپ پر اخباروں میں حملے کرتے ہیں۔ افسوس ہے مسلمانوں میں معمولی اخلاق بھی نہ رہے۔ میں خود علی گڑھ کالج کی پروفیسری نامنظور کرنے سے ہدفِ ملامت ہو رہا ہوں۔ مگر ؎

شادم ز طعنِ خلق کہ مرغانِ باغِ عشق
شاخے کہ سنگ می رسدش آشیاں کنند

اقبال

(۱۶۳)—————(۷)

سیالکوٹ

۱۲- اکتوبر ۱۹۰۸ء

پیارے نظامی! آپ کا خط پہنچا۔ پوسٹ کارڈوں کے لئے شکر گذار ہوں۔ میں نے وی۔پی کے لئے لکھا تھا۔ آپ نے کیوں تکلیف کی۔ یہ نیاز جو آپ کو پہنچی ہے۔ والدہ مکرمہ کی نیاز تھی۔ قبول فرمائیے۔ بھائی صاحب کا ارادہ خود حاضر ہونے کا تھا مگر شاید انھیں فرصت نہ تھی۔

آپ لوگوں کو میرا مشتاق بناتے ہیں۔ مجھے کچھ اعتراض نہیں مگر اندیشہ ہے کہ مجھ سے مل کر انھیں مایوسی نہ ہو۔ میں نے سید صاحب موصوف کے نام ایک عریضہ ابھی لکھا ہے۔ ان کا خط اس خط میں ملفوف کرتا ہوں۔

آپ اپنی ہر تحریک میں بغیر پوچھے مجھے شریک تصور کیجئے۔ مگر جس درد نے کئی مہینوں سے مجھے بیتاب کر رکھا ہے، جو بجھے

راتوں کو سونے نہیں دیتا" جو مجھے تنہائی میں رلاتا ہے، اس کی وجہ مجھ سے پہلے سن لیجئے۔ پھر جو چاہے کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں اور آپ میرے ساتھ۔

کئی دنوں سے بیمار ہوں۔ دعا کیجئے کہ بالکل اچھا ہو جاؤں۔

آپ کا صادق

محمد اقبال

(۱۶۴)———(۸)

لاہور

۲۵ نومبر ۱۹۰۸ء

مخدومی خواجہ صاحب!

آپ کے حلقے کا ذکر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے بھی اس حلقہ میں شامل تصور کیجئے اور اہلِ حلقہ سے استدعا کیجئے کہ میرے حق میں دعا کریں۔ مجھے آپ سے ایک بہت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اور اس میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ تا حال فارغ البالی سے بیٹھنے کا موقع نہ ہوا۔ ورنہ عرض کرتا۔

بہرحال آپ ایک نئی بات سُننے کے لئے تیار رہیں۔ میرے خیال میں اور احباب بھی ہیں۔ جن سے ابھی تک ذکر اس بات کا نہیں آیا۔ تاہم وہ اس امر میں یقین ہے ہمارے ساتھ ہونگے۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ابھی آپ کو دہلی سے لاہور تشریف لانے کی خبر دیتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نادانستہ اسی طرف کو جا رہے ہیں جس طرف میں آپ کو لانا چاہتا ہوں۔ اس بات نے مجھے جرأت دلائی ہے کہ میں آپ سے رہنے سہنے کا دکھ ظاہر کروں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ہمدردی کے ساتھ اس قضیے کو سُن سکتے ہیں مگر آپ سے مجھے پوری ہمدردی کی توقع ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے اس بات کا ذکر نہیں آیا۔ آپ سے ذکر ہو چکنے کے بعد اگر مناسب ہُوا تو بعض خاص دوستوں سے اس کا تذکرہ کرونگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ تا حال خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ امید ہے کہ آپ بھی بخیریت ہونگے۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا

لاہور

(١٦٥)　　　　(٩)

مخدومی و مکرم جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم

حلقہ نظام المشائخ کے متعلق آج مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا سے سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ کے کام میں ترقی ہو۔ مجھ کو بھی اپنے حلقہ مشائخ کے ادنٰے ملازمین میں تصور کیجئے۔ مجھے ذرا کاروبار کی طرف سے اطمینان ہولے تو پھر عملی طور سے اس میں دلچسپی لینے کو حاضر ہوں۔ آپ نے اچھا کیا کہ محمد شفیع صاحب کے نام خط لکھا۔ میری طرف سے مزار شریف پر بھی حاضر ہو کر عرض کیجئے۔ والسلام

محمد اقبال

١٢۔ جنوری سنہ ١٩٠٩ء

(۱۶۶) ——— (۱۰)

لاہور

۲۔ اگست ۱۹۰۹ء

مخدومی! رسالہ پہنچ گیا تھا۔ آپ کی دست بستہ دُعا نے بڑا لطف دیا۔ میں فراموش کار نہیں۔ البتہ اگر آپ کو یہ لقب دیا جائے تو موزوں تر ہے۔

کچھ دنوں سے بہت عدیم الفرصت ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ قانونی پیشہ میں اس قدر مصروفیت رہیگی۔

پنجاب میں نظامی مشہور رہوں اور آپ میری خبر نہیں لیتے۔

سیہ کارؔ

محمد اقبال

(۱۶۷) ——— (۱۱)

لاہور

۲۴۔ جون ۱۹۱۲ء

مکرمی! ۱۲ روپیہ جس طرح آپ کے خیال میں آئے خرچ کردیجئے

حلوا پکا دیجیے یا خانقاہ کے متعلقین میں تقسیم کر دیجیے۔

آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے مگر کیا کروں، علائق نہیں چھوڑتے اور روٹی کا دھندا لاہور سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ کیا کروں عجب طرح کا قفس ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

اقبال

(۱۶۸)————(۱۲)

مکرمی! السلام علیکم

خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ نے ہندوستان کے پرانے بتکدے میں توحید کی مشعل روشن کی۔ مجھے یقین ہے کہ دل اس کی حرارت سے گرمائیں گے اور آنکھیں اس کے نور سے منور ہونگی۔ میں بھی اپنی بساط کے موافق کچھ نہ کچھ حاضر کرونگا۔

مسلمانانِ ہندوستان کی بیداری کے پانچ اسباب جو آپ نے اس ہفتہ کے توحید میں ارقام فرمائے ہیں بالکل بجا ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اقبال جس نے اسلامی قومیت حقیقت کا راز

اس وقت منکشف کیا جب ہندوستان والے اس سے غافل تھے اور جن کے اشعار کی تاریخ زمیندار۔ کامریڈ۔ بلقان۔ طرابلس اور نواب وقار الملک کی حق گوئی کی تاریخ سے پہلے کی ہے، کس کا خوشہ چین ہے؟ شاعروں کی بد نصیبی ہے کہ ان کا کام بُرا بھلا جو کچھ بھی ہو، غیر محسوس ہوتا ہے۔ اور ظاہر بین آنکھیں مرئیات کی طرف قدرتاً زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔

اس خط کا مقصد شکایت نہیں اور نہ یہ کہ اقبال کے کام کا اشتہار ہو۔ حسن نظامی کو خوب معلوم ہے کہ اس کا دوست اشتہار پسند مزاج لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ مگر یہ مقصد اس خط کا ضرور ہے کہ ایک واقف حال دوست کی غلط فہمی دور ہو۔ تاکہ اقبال کی وقعت اپنے دوست کی نگاہ میں محض اس خیال سے کم نہ ہو کہ اس نے مسلمانان ہند کی بیداری میں حصہ نہیں لیا۔

بکلام بیدل اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

نیازکیش ۔ اقبال

(۱۶۹)——————(۱۳)

لاہور

۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء

خواجہ صاحب مکرم! اجمیر سے کوئی خط نہیں لکھا۔ اس بارے میں شاید آپ کی ہدایت پر عمل نہ ہو۔ زلفِ خواجہ کا اسیر دامِ اقبال میں کیونکر آسکتا ہے۔ شیخ احسان الحق سے درخواست کیجئے کہ وہ اقبال کا اشتہار نہ دیں۔ میں ان کا اور آپ کا ممنون ہونگا اگر آپ مجھے اس زحمت سے بچائیں گے۔ آخر شاعری کی وجہ سے میں مشاہیر میں شامل ہونگا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے آپ کو شاعر تصوّر نہیں کرتا اور نہ کبھی بحیثیت فن کے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر میرا کیا حق ہے کہ صفِ شعراء میں بیٹھوں اور کوئی وجہ شہرت نہیں ہے

دردانہ بیچاری موتیوں کا ہار دے سکتی ہے۔ مگر گردن دینے کی وہ بساط نہیں رکھتی۔

بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ "دردانہ" دے سکتی ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہے تو گردن کہاں باقی رہ جائیگی۔ وہ تو دردانہ کی ایک جزو ہے۔ والسلام

محمد اقبال از لاہور۔

(۱۴)———(۱۷۰)

ڈیر خواجہ صاحب! آپ کی سرکار سے جو خطاب مجھے عطا ہوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن وہ مثنوی جس میں خودی کی حقیقت و استحکام پر بحث کی ہے، اب قریباً تیار ہے۔ اور پریس جانے کو ہے۔ اس کے لئے بھی کوئی عمدہ نام یا خطاب تجویز فرمائیے۔ شیخ عبدالقادر صاحب نے اس کے نام اسرارِ حیات۔ پیامِ سروش۔ پیامِ نو۔ آئینِ نو، تجویز کئے ہیں۔ آپ بھی طبع آزمائی فرمائیے اور نتائج سے مجھے مطلع کیجئے۔ تاکہ میں انتخاب کر سکوں۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
اقبال۔ لاہور
۶۔ فروری ۱۹۱۵ء

مولوی صالح محمد کے نام

(۱۷۱)ــــــــ(۱)

لاہور

۱۰ مئی ۳۱ء

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

کل کی ڈاک میں ایک خط میں آپ کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ شاید میں عرس کے موقع پر حاضر نہ ہو سکوں لیکن مزید غور کرنے پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس موقع پر جانا چاہیئے۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ میں حاضر ہونگا۔ میرے ایک دو دوست اور بھی ہوں گے۔ براہ مہربانی بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے کہ کس تاریخ کو مجھے وہاں ہونا چاہیئے۔ خواجہ صاحب کب تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ اور ان کا قیام وہاں کب تک رہیگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلع

فرمائیے کہ کس بزرگ (کو) یہاں سے روانہ ہونے کی اطلاع دی جائے۔ کیا حضرت دیوان صاحب کو براہِ راست لکھ دیا جائے یا جب خواجہ نظام الدین صاحب وہاں پہنچ جائیں تو ان کو بذریعہ تار مطلع کیا جائے۔ اس خط کا جواب فوراً ارسال کیا جائے۔

والسلام

مخلص: محمد اقبال

(۱۷۲)————(۲)

لاہور

۳۰۔ مئی ۱۹۳۰ء

جناب من! السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ مجھ کو آپ کے خط نے بہت متاثر کیا مجھ کو یہ خیال ہمیشہ تکلیف روحانی دیتا ہے کہ آنے والی مسلمان نسل کے قلوب ان واردات سے یکسر خالی ہیں جن پر میرے افکار کی اساس ہے۔ لیکن آپ کے خط سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوئی۔ ان اشعار کی دقّت زبان کی وجہ سے نہیں بیا

تو اتنی فارسی ہی نہیں جانتا کہ مشکل زبان لکھ سکوں۔ دقت جو کچھ بھی ہے، واردات و کیفیات کے فقدان کی وجہ سے ہے اگر کیفیات کا احساس ہو تو مشکل زبان بھی سہل ہو جاتی ہے۔ بہرحال آپ کی کوشش ایک مبارک فال ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں۔ جن میں سے ایک شعر بھی ہے۔ اور شعر کا تخلیقی یا ایقاظی اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صوت اور طرز ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اس واسطے ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو مترجم کے زیر نظر ہوتا ہے۔ بہرحال اس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات و خیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے جن کے قلوب میں آپ پیام کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات پیام کے مطالعے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی گُر کی بات ہے کہ مجھ سے مشورہ نہ کیجئے

جس شعر کا جو اثر آپ کے دل پر ہوتا ہے اُسی کو صاف و واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ مصنّف کا مفہوم معلوم کرنا بالکل غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔ ہاں ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تشریح آپ کریں، اس کی تائید شعر کی زبان سے ہونی چاہئے۔ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پر مختلف ہوتا ہے بلکہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے اس اختلافات کی وجہ قلوب انسانی کی اصلی فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے۔ اگر کسی شعر سے مختلف اثرات مختلف قلوب پر پیدا ہوں تو یہ بات اسی شعر کی قوّت اور زندگی کی دلیل ہے۔ زندگی کی اصل حقیقت تنوّع اور گوناگونی ہے۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۷۳)———(۳)

جناب من! السلام علیکم

کئی دن ہوئے، میں نے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا اور اسی خط میں آپ کی شرح پیام مشرق (رباعیات) کا مسودہ ملفوف تھا۔ معلوم نہیں، وہ خط آپ تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ اگر نہیں پہنچا تو مجھے سخت افسوس ہے۔ بالخصوص اُن نوٹوں کی وجہ سے جو میں نے مسودہ مذکور کے حواشی پر کئے تھے۔ بہرحال مطلع فرمائیے کہ اطمینان ہو جائے۔

حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سے یہ بھی معلوم کیجئے کہ آیا اُن کے بزرگوں کے کتب خانے میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا وہ رسالہ موجود ہے، جس میں انہوں نے آسمانوں اور سیاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کی مدّت سے تلاش ہے، اب تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ آج تک شائع بھی کسی نے نہیں کیا۔ اگر وہ رسالہ اُن کے پاس نہیں تو ممکن ہے

اسی مضمون کا کسی اور بزرگ کا رسالہ موجود ہو۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

(نوٹ ۔ یہ خط علامہ کے انگریزی پیڈ پر لکھا ہے۔ لیکن تاریخ تحریر نہیں کی گئی۔ اندازہ یہی ہے کہ یہ گذشتہ خط کے بعد کا خط ہے۔) مرتب

(۱۷۴)——————(۴)

۱۹۔ جون ۳۰ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔ الحمدللہ کہ مسودہ آپ تک پہنچ گیا۔ آپ نے نسخہ مطلوبہ کی تلاش میں جو زحمت گوارا کی۔ اس کے لئے جناب خواجہ صاحب کا اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ اُدھر کے نادر الوجود قلمی نسخوں کی ایک فہرست شائع کر دیں تو عہد حاضر کے ہندوستانی

مسلمانوں پر ایک احسان عظیم ہوگا اور نیز ایک بڑی علمی خدمت ہوگی۔ افسوس مسلمانوں کا علمی سرمایہ ہندوستان میں بالکل ضائع ہوگیا اور آج یورپ والے یہ طعنہ دینے کے لائق ہوئے کہ ہندوستانی مسلمان علمی دولت سے بالکل تہیدست تھے۔ سر السما کا ذکر میں نے آج تک نہیں سنا۔ اس کتاب کی تلاش بھی جاری رکھئے۔ میں نہایت ممنون ہونگا اگر سر السما ہی مل جائے۔ شاید بہاول پور سے ملے۔

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام شوق عرض کیجئے اگر وہ کبھی لاہور کا رُخ کریں تو مجھے مطلع کیجئے۔ والسلام

مخلص: محمد اقبال

(۱۷۵)——(۵)

لاہور

۲۵۔ جولائی ۳۱ء

مکرمی۔ السّلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے خاص طور پر شکریہ ادا کیجئے۔ میں ان کا نہایت شکرگذار ہوں کہ انہوں نے سرالسما کے متعلق اس قدر دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ معلوم نہیں کتاب مذکور قلمی ہے یا طبع شدہ۔ اگر قلمی ہے تو معلوم نہیں۔ حجم کس قدر ہے اور کس زبان میں ہے۔ بہرحال اگر خواجہ صاحب کسی آدمی کو بھیج دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ اس طرح کتاب جلدی مل جائیگی اور میں اس سے اپنی کتاب کو ختم کرنے سے پہلے مستفیض ہوسکونگا۔ میں نے شاید آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میرا مقصود سرالسما کے مطالعہ سے علمی تحقیقات نہیں ہے۔ علمی سے میری مراد وہ تحقیق ہے جس کا دار و مدار علم ریاضی پر ہو اور جس کے مشاہدات کے لئے دوربینوں کی ضرورت ہو۔ میرا مقصود اس تحقیق سے ہے جس کی بنا مکاشفات قلبی پر ہو۔ چونکہ آپ کے والد ماجد سرالسما کو دیکھ چکے ہیں، اس واسطے مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے گوہر مقصود ہاتھ آئیگا۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے، جب میری کتاب ختم ہوگئی تو انشاء اللہ اس کی

ایک جلد حاضر خدمت کرونگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ بے انتہا
خوش ہونگے۔ جہاں تک میرا علم ہے کسی اسلامی زبان میں اس قسم
کی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ کتاب نظم میں ہے۔ زبان
فارسی، مثنوی مولنا روم کے بحر میں ہے۔ سیرۃ سلیمان ضرور لکھئے
آپ کا اُردو طرزِ بیان دلچسپ اور سادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ آپ
پڑھنے والوں کی توجّہ جذب کر سکنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔
گذشتہ رات میرے ہاں بہت سے احباب کا مجمع تھا مسلمانانِ
ہندوستان کی عام روحانیّت کا ذکر تھا اور بہت سے احباب
مسلمانوں کے موجودہ انحطاط سے متاثر ہوکر ان سے مایوسی کا اظہار
کر رہے تھے، اس سلسلے میں میں نے ریمارک کیا کہ جس قوم سے
خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور خواجہ فرید
چاچڑاں شریف والے اب اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔
اس کی روحانیت کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ زیادہ کیا عرض کروں
سوائے اس کے کہ کتاب سر التمّا کے حصول میں عجلت فرمائیے۔
خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام شوق پہنچائیے اور دُعا کی

التماس۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۷۶)―――――(۶)

لاہور

۴۔ اگست ۳۰ء

جناب مولوی صاحب! السلام علیکم

میں آپ کو خط لکھنے کے قصد سے بیٹھا ہی تھا کہ ملازم نے آپ کا خط لاکر دیا۔ کتاب سر آلسما کے حصول میں خواجہ صاحب جو سعی بلیغ فرمارہے ہیں، اُس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔

(۱) میں نے بھی آج مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا ہے۔ وہ خود علمی ذوق کے آدمی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب نے اُن کو لکھا ہے۔ یقین ہے کہ پوری کوشش کرینگے اگر کتاب مفید مطلب نکل آئی تو اپنی کتاب کے دیباچے میں اُس کا ذکر کرنا ہوگا اور اس سلسلہ میں علامہ عبدالعزیز مصنّف کتاب

مذکور کا ذکر بھی ضروری ہوگا۔ علاوہ اس کے خواجہ صاحب موصوف کا بھی جن کی وساطت سے کتاب حاصل ہوئی۔ ان اُمور کے متعلق آپ کو کتاب دیکھنے کے بعد تکلیف دونگا۔

(۲) فہرستِ کتب خود تیار کیجئے۔ لیکن اگر آپ لاہور آئیں تو زمانہ حال کی تیار شدہ فہرستیں ضرور ملاحظہ کریں۔ ان کی ترتیب کا طریق اَور ہے اور بہت زیادہ مفید۔ آپ نے الندیم کی فہرست دیکھی ہوگی۔ اُس نمونہ کی ہونی چاہئے۔ لیکن صرف نایاب کتب ہی کا ذکر ہو تو بہتر ہو۔ اس کی اشاعت کے لئے میں علی گڑھ یونیورسٹی کو لکھوں گا کہ آپ کی مدد کرے۔

(۳) کابل جانے کا امکان ہے۔ آپ ساتھ ہوں تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ممکن ہے اگست کے آخر میں۔ قونصل جنرل افغانستان متعینہ ہند (دہلی) نے مجھ سے کہا تھا کہ جشن استقلال کے موقع پر اعلیحضرت آپ کو دعوت دینے کا قصد رکھتے ہیں۔ جشن استقلال وسط اگست میں ہے۔ لیکن وسط اگست میں میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ اگر اس موقع پر کابل

نہ جا سکا تو کسی اور موقع پر انشاء اللہ ضرور جاؤں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جناب خواجہ صاحب کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کرنے کے بعد عرض کیجیے کہ اپنے خاندانی اثر و رسوخ روحانیت کو مسلمانوں کے مفاد میں کام لانے کا وقت ہے اور گدی نشینوں نے دین کو حصولِ دنیا کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس اُمت سے اخلاص رخصت ہو چکا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۱۷۷)————(۷)

لاہور
۹۔ اگست ۱۹۳۰ء

جنابِ من۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لئے بہت بہت شکریہ۔ میں نے بھی مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ جواب نہیں ملا۔ وہ جواب لکھنے میں یوں بھی سست ہیں۔ میں اس

کتاب کے لئے خود نواب صاحب بہادر والئے بہاولپور کی خدمت میں لکھتا مگر اس معمولی بات کے لئے اُن کو زحمت دینا پسند نہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مولوی احمد سعید صاحب کتاب عاریتًہ نہ دینگے۔ یہ بخل ایک مدت (سے) مسلمانوں کے لاحق حال ہے۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے ان حالات میں شاید یہ بہتر ہوگا کہ خواجہ صاحب بہاول پور سے کسی ایسے آدمی کو مقرر (فرمادیں*) جو اس کتاب کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو اور مولوی صاحب احمد سعید سے صرف کتاب کے دیکھنے کی اجازت مانگی جا(ئے اور) مقرر کردہ بزرگ مولوی احمد سعید صاحب کی موجودگی میں کتاب مذکور کا وہ حصہ دیکھیں جس کا تعلق سیارات سماوی اور متعلقہ (امور سے) ہے۔ اگر وہ کتاب علم ہیئت کی ہے تو اُس کی ضرورت نہیں (یعنی میرے مقاصد کے لئے) اور اگر اُس کے (مضامین) مکاشفاتی ہیں تو جستہ جستہ نوٹ سیارات کے متعلق اس کتاب سے لے لئے جائیں اور مجھ کو وہ نوٹ (ارسال) کردئے جائیں۔ اس طریق سے مولوی احمد سعید کتاب عاریتًہ دینے کی زحمت سے بچ جائیں اور میرا کام ہوجائیگا

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ آپ کی دعاؤں کا شکر گزار ہوں۔ والسلام

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام پہنچائیے۔

مخلص محمد اقبال

* اس نشان سے شروع کر کے جو الفاظ بریکٹ میں لکھے گئے ہیں وہ خط کے سیاق و سباق پر نظر رکھتے ہوئے میں نے خود داخل کئے ہیں۔ یہ الفاظ خط کے بائیں کنارے پر تھے جس کا ایک تھوڑا سا حصہ شکن پڑنے سے ضائع ہو چکا ہے۔

(۱۷۸)——————(۸)

جناب من۔ السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجئے کہ سر السّما کے لئے انہوں نے بہاول پور خط لکھنے کی زحمت

گوارا کی۔ میں نے بھی وہاں ایک دوست سے خط و کتابت کی تھی معلوم ہؤا کہ شمس الدین صاحب کا کتب خانہ محفوظ ہے اور ان کے بیٹے ریاست کی ملازمت میں ہیں۔ ممکن ہے وہ کتاب (سِرّ السّما) اس کتب خانے میں محفوظ ہو۔ اگر یہ کتاب مل گئی اور میرے مطلب کے موافق ہوئی تو امید ہے بہت فائدہ ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا خواجہ صاحب سلام شوق قبول فرماویں۔

مخلص محمد اقبال

(یہ خط بھی علّامہ کے انگریزی پیڈ پر لکھا ہے اور تاریخ درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ مرتّب)۔

(۹) ——— (۱۷۹)

لاہور

۱۸۔ اپریل ۳۱ء

مکرمی منشی محمد صالح صاحب۔ السّلام علیکم

ایک مدّت کے بعد یہ خط آپ کو لکھتا ہوں۔ خواجہ صاحب

کو یہ خط دکھا دیں اور کامل غور و خوض کے بعد اس کا جواب لکھیں ۔
اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آرہا
ہے ۔ سیاسی حقوق و ملّی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف خود اسلام
کی ہستی معرض خطر میں ہے ۔ میں ایک مدت سے اس مسئلہ
پر غور کر رہا تھا ۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے
مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ
کی صورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن اور
اُن کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ
پر خرچ کیا جائے ۔ اسی طرح اُن کے اخباروں کی حالت درست
کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کئے جائیں جو زمانۂ حال
میں اقوام کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں ۔ مفصّل سکیم پھر عرض
کر دی جائیگی ۔ فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم سجادوں
کے نوجوان مالک ایک جا جمع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح
اُس درخت کی حفاظت کی جا سکتی ہے جو اُن کے بزرگوں کی
کوششوں سے پھلا پھولا تھا ۔ اب جو کچھ ہوگا نوجوان علماء و

نوجوان صوفیہ سے ہی ہوگا، جن کے دلوں میں خدا نے احساس حفاظت ملّی کا پیدا کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے کہ وہ ایسے نوجوان سجادہ نشینوں کو ایک جگہ جمع کر لیں۔ میں بھی وہاں حاضر ہو کر اُن کی مشورت میں مدد دونگا۔ یہ جلسہ فی الحال پرائیویٹ ہوگا۔ میرے خیال میں ایسے نوجوانوں کی کافی تعداد ہے۔ فی الحال سندھ اور پنجاب کے حضرات ہی جمع ہوں۔ بعض کے نام میں جانتا ہوں، مگر غالباً خواجہ صاحب اور آپ اُن حضرات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ غرض یہ کہ اُن کے نام دعوت جاری ہو اور اس پر اگر میرے دستخط کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اس خط کو معمولی نہ تصوّر فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام شوق عرض کیجئے۔

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(۱۸۰)———(۱۰)

لاہور

۲۲-اپریل ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ اس گروہ کے جمود کا مجھے بھی احساس ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اس گروہ میں سے نوجوانوں کو انتخاب کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ان کو کسی مرکزی مقام پر جمع کیا جائے تو میں شاید ان کو یقین دلا سکوں کہ نظر بہ حالات آئندہ اُن کا اور اُن کے خانوادوں کا احترام و اقتدار بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ اس نازک زمانے میں اسلام کی حفاظت کریں۔ فی الحال تجویز یہ ہے کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے کہ بغیر اس کے اسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی تبلیغ و اشاعت ناممکن ہے۔ مسلمان اخباروں کو قوی کیا جائے۔ نئے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ مسلمانوں

کو مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے قومی عساکر بنائے جائیں اور ان تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر وقت پر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائیگا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے۔ آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے مجھے اپنے کام چھوڑنے پڑیں تو انشاء اللہ چھوڑ دوں گا۔ اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصد جلیل کے لئے وقف کر دوں گا۔

آپ خواجہ صاحب کے دل میں تڑپ پیدا کریں اور اُن سے

درخواست کریں کہ وہ اپنے دیگر احباب میں بھی یہی تحریک کریں ورنہ ہم سب لوگ قیامت کے روز خدا اور رسولؐ کے سامنے جوابدہ ہونگے۔ زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ اس کام (میں) ذرا سا توقف بھی نہ ہونا چاہئے۔

کتاب جاوید نامہ جو میں لکھ رہا تھا، ختم ہوگئی ہے آجکل میں کاتب کے حوالے کر دی جائیگی۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ جو میں نے انگریزی زبان میں لکھی تھی اُس کا اُردو ترجمہ بھی ہوگیا ہے۔ عنقریب شائع ہو جائیگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۱۸۱)————(۱۱)

۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

میں ابھی صبح بھوپال سے واپس آیا اور آپ کا خط ملا۔ ریاست بھوپال میں بھی نواب صاحب کی دعوت پر میں اسی مطلب کے

واسطے گیا تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی اختلافات رفع کرنے کی کوشش کر کے ان کو ایک مرکز پر متحد کیا جائے۔ معاملہ امید افزا ہے مگر افسوس ہے کہ چونکہ ہر روز قریباً دو بجے رات تک کام کرنا اور جاگنا پڑا، میں وہیں بیمار ہو گیا۔ آج صبح واپس آیا ہوں۔ کسی قدر افاقہ ہے۔ میں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ پاک پٹن شریف حاضر ہو سکوں گا۔ مگر چونکہ حضرت خواجہ صاحب نے اُمید دلائی ہے۔ اس واسطے پوری کوشش کروں گا کہ حاضر ہوں۔ آپ مہربانی کر کے بواپسی ڈاک دو باتوں کا جواب دیں:

(۱) خواجہ صاحب اور دیگر نوجوان سجادہ نشین کونسی تاریخ کو وہاں موجود ہوں گے۔

(۲) اگر میں پاک پٹن حاضر نہ ہو سکا تو کیا اور کوئی موقع ایسا ہو سکتا ہے یا کوئی اور ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ میں ان سب سے ایک مقام پر مل سکوں اور اپنے معروضات ان کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ ان باتوں کا جواب فوراً ارسال فرمائیے۔ والسلام۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے

شکریہ اور آداب عرض ہو۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

(۱۸۴)――――(۱۲)

لاہور

۲۰۔ مئی ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ اس سے پہلے حضرت خواجہ صاحب کا خط بھی مل گیا تھا۔ میں نے خواجہ حامد صاحب کے انتقال کی خبر اخبار میں پڑھی تھی اور میرا خیال تھا کہ تمام اختلافات کو رفع کرنے کی خاطر خواجہ صاحب کو اُن کا جانشین تسلیم کر لیا جائیگا۔ اس کے متعلق آپ کو لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ مگر چونکہ حالات سے آگاہی نہ تھی۔ اس واسطے خاموش رہا۔ بہرحال صلح کی خبر سے میں بہت خوش ہوا۔ خدا تعالیٰ مبارک کرے اور یہ کام باحسن وجوہ انجام پائے۔ اگر خواجہ صاحب اس دفعہ پاک پٹن نہ آسکیں تو

کچھ مضائقہ نہیں۔ اجتماع کسی اور جگہ ہو جائے گا۔ میں نے
ٹائم ٹیبل دیکھا تو معلوم ہوا کہ پاک پٹن جانے والی سب ٹرینیں
تکلیف دِہ ہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر
ہوگا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

(۱۸۳)————(۱۳)

۲۵۔ مئی ۳۱ء سوموار

جناب مولوی صاحب۔ السّلام علیکم

کل میٹنگ کا اجلاس تمام دن رہا اور شام کو میں دردِ دندان
میں مبتلا ہو گیا۔ اس واسطے مجبوراً آج پاک پٹن کا سفر کرنے سے
قاصر ہوں کہ دانت کو نکلوا دینے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ پھر کسی
موقع پر خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام معروضات
پیش کروں گا۔ اس عرصے میں وہ اپنے نوجوان احباب کے ساتھ
میرے خطوط کے مضمون پر گفتگو کے لئے اُن کو تیار کر رکھیں۔

امید کہ اُن کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور خاندانی تنازع
کا بھی باحسن وجوہ خاتمہ ہو گیا ہوگا۔ آج تو آپ اور وہ پاکپٹن
میں ہوں گے اور یہ خط تونسہ شریف کے پتے پر ہی لکھتا ہوں
کہ غالباً منگل کے روز آپ پاک پٹن سے تونسہ شریف تشریف
واپس لے جائیں گے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۱۸۴)――――(۱۴)

لاہور

۷۔ جون ۳۱ء

جناب مولوی صالح محمد صاحب۔ السلام علیکم

معلوم ہوتا ہے، آپ اور حضرت خواجہ صاحب میرے تار اور
خط کو فراموش کر گئے یا ممکن ہے تار کا مطلب صحیح نہ سمجھا گیا ہو
اور خط نہ ملا ہو۔ میں نے تار اور خط دونوں میں لکھ دیا تھا کہ
میں دردِ دنداں میں مبتلا ہو گیا اور چار روز کی سخت تکلیف

کے بعد دونوں دانت، جو دکھتے تھے، اُن کو اکھڑوا دیا گیا۔ اگر یہ خط اور تار پہنچنے کے بعد بھی خواجہ صاحب نے بقول آپ کے میرے نہ آسکنے کو بُرا محسوس کیا، تو مجھے تعجب بھی ہے اور افسوس بھی۔ تعجب اور افسوس اس واسطے کہ میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ مسلمان کو مسلمان پر نیک ظن رکھنا چاہیئے۔ میں نے جھوٹ نہ لکھا تھا، نہ اِس زمانے کے لوگوں کی طرح بہانہ تراشی کی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

(دوسرا صفحہ ملاحظہ کیجئے)

باقی رہا مقصود جس کے لئے سفر کرنا تھا، سو مجھے یہ لکھنے میں تامل نہیں کہ اس کا ایک پہلو سیاسی بھی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اسلام بحیثیت مذہب کے دین و سیاست کا جامع ہے یہاں تک کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے جُدا کرنا حقائق اسلامیہ کا خون کرنا ہے۔ میں نے جو حضرات مشائخ کو اس طرف متوجہ کرنے

کا قصد کیا تھا، وہ محض اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا،
نہ اپنے نام ونمود کی خاطر۔ مجھ کو نہ ہندوؤں سے کچھ مطلب
ہے نہ انگریزوں سے۔ خیال یہ تھا کہ شاید اسی طریق سے
نوجوان صوفیہ میں کہ اُن کے اقتدار کا دارو مدار بھی اسلام کی
زندگی پر ہے کچھ حرارت پیدا ہو جائے اور وہ کلاً نہیں تو
جزاً اس کام میں شریک ہو جائیں۔ خواجہ صاحب اگر اس
تحریک میں شریک ہوں تو میرے عقیدے کی رُو سے اُن
کی سعادت ہے۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اس ساری تحریک
کا سہرا اُن ہی کے سر رہے۔ والسّلام

محمد اقبال

(۱۸۵)———(۱۵)

لاہور

۲- جولائی سنہ ۱۹۳۱ء

جناب مولوی صاحب - السّلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے - مجھے اس بات سے دلی رنج ہُوا کہ خواجہ صاحب پر اُن کے مقدس جد کے مزار کی زیارت بند کر دی گئی ہے - اس تنگ دلی پر ہزار افسوس - مگر میں خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ مشورہ دونگا کہ وہ اس مصیبتِ عظمیٰ پر صبر کریں - مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کا خاتمہ کر دے گا اور اُن پر ظلم کرنے والے ذلیل و خوار ہونگے - اس امر کے متعلق جو کچھ مدد خواجہ صاحب کے خیال میں مَیں کر سکتا ہوں اُس کے لئے دل و جان سے حاضر ہوں - آپ بڑی خوشی سے تشریف لائیں - ضلع ڈیرہ غازی کے ڈپٹی کمشنر صاحب کون بزرگ ہیں - اُن کے نام سے مطلع فرمائیے - اگر

میری ان سے واقفیت ہوئی تو میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس بارے میں ان سے خط و کتابت کرنے کو حاضر ہوں۔ ایسے مصائب کا علاج سوائے توجہ الی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ خواجہ صاحب خود اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فیصلے کی نقل ابھی نہیں پہنچی۔ پڑھ کر پھر لکھوں گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال۔ لاہور

(۱۸۶)———(۱۶)

لاہور

۱۱۔ فروری ۳۲ء

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میرا یونیورسٹی سے اب تعلق نہیں ہے۔ تاہم آپ کا خط میں نے پروفیسر شفیع صاحب کو دے دیا ہے۔ امید ہے وہ آپ کی مدد کر سکیں گے۔ فی الحال آپ اپنے تعلیمی امتیازات (یعنی جو امتحان پاس کئے ہوں) اور موجودہ

مشاغل وغیرہ مجھے لکھ بھیجیں۔ مدینۃ النبیؐ کی زیارت کا قصد تھا
مگر میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ دُنیوی مقاصد کے لئے
سفر کرنے کے ضمن میں حرم نبوی کی زیارت کی جرأت کرنا سوء ادب
ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامی احباب سے وعدہ تھا کہ جب
حرم نبوی کی زیارت کے لئے جاؤنگا تو وہ میرے ہم عناں ہونگے
ان دونوں خیالوں نے مجھے باز رکھا۔ ورنہ کچھ مشکل امر نہ تھا۔
یروشلم سے سفر کرنا آسان ہے۔ اس وقت ابن سعود کے بعض قبائل
بعض دیگر قبائل عرب سے جو یروشلم اور مدینۃ النبیؐ کے درمیان
راہ میں ہیں برسر پیکار تھے۔ مگر یہ کوئی مشکل نہ تھی جس کا
تدارک نہ ہو سکے۔ جاوید نامہ شائع ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے
کلارک سے کہہ دیا تھا کہ وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں ایک
کاپی ارسال کر دے۔ شاید وہ بھیج چکا ہے یا آج کل میں بھیج
دیگا۔ میری طرف سے خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام
عرض کیجئے۔ والسلام

محمد اقبال

(۱۸۷)———(۱۷)

لاہور

جناب مولوی صاحب!

میں نے پروفیسر شفیع صاحب سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تمام یونیورسٹی کے امتحانوں کے ممتحن مقرر ہو چکے ہیں۔ ورنیکولر فائینل کا تعلق محکمہ تعلیم سے ہے، یونیورسٹی سے نہیں ہے۔ بہرحال منسلکہ فارم پُر کر کے بھیج دیجئے۔ اگر کوئی Vacancy اس اثنا میں ہو گی تو شاید آپ کو موقع مل جائے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۲-فروری سنہ ۳۱ء

فہرست کتب

دولتِ پاکستان

(از قلم جناب مستنصر باللہ صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول ملتان)

پاکستان بن جانے کے بعد ایک ایسی کتاب کی ضرورت بہت زیادہ محسوس کی جا رہی تھی جو پاکستان کے باشندوں کو بالعموم اور پاکستان کے طلبا کو بالخصوص ان کے محبوب ملک پاکستان کے متعلق جملہ معلومات و کوائف سے آگاہ کر دے۔ کتاب "دولتِ پاکستان" اس سلسلے میں ایک لاجواب تصنیف ہے۔ اس میں پاکستان کا جغرافیہ، پاکستان کے وسائل ترقی، پاکستان کی حکومت غرضیکہ پاکستان کے متعلق جملہ معلومات کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب پنجاب کے اکثر سکولوں میں رائج ہو چکی ہے۔ کتاب بیشمار نقشوں اور تصاویر سے مزین ہے۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ/۸

قرآن پاک پڑھنے اور پڑھانے کا آسان طریقہ

دُروسُ القرآن

حصۂ اوّل۔ حصۂ دوم۔ حصۂ سوم

از

صوفی نذر محمد سیال ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول ایمن آباد

دروس القرآن کے حصۂ اول میں مرکبات کا ذکر ہے اور اس میں تقریباً ۵۰۰ الفاظ کی لغت شامل ہے۔ حصۂ دوم میں فعلوں کا ذکر ہے۔ اور افعال کے علاوہ اسمائے مشتق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ اس حصہ میں ۳۰۰ نئے الفاظ کی لغت اور شامل ہو گئی ہے۔ ان ہر دو حصوں میں صرف و نحو کے تمام مسائل اور ضروری قاعدے واضح کر دئیے گئے ہیں۔ حصۂ سوم میں مصنف نے

کثیر الاستعمال حروف کے مختلف معانی اور ان کا استعمال سمجھایا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو عربی زبان پر اتنا عبور حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک کا ترجمہ بغیر کسی استاد کی مدد کے پڑھ سکتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی تدوین میں چار سال صرف کئے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۵ر حصہ دوم ۹ر حصہ سوم ۱۴ر

خلافت اور سلطنت

از ڈاکٹر امیر حسن صدیقی ایم اے۔ پی، ایچ، ڈی

یہ کتاب مصنف نے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے انگریزی زبان میں لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ سبطین احمد نے کیا ہے اور مقدمہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔ اس میں خلافت کے متعلق نہایت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ ... ... عیر

سرمایۂ زندگی

مرتبہ سید احتشام الحسن صاحب

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ انسانی زندگی کے ہر فعل کے متعلق اسلام مسلمان کو مکمل ہدایات پیش کرتا ہے۔ اس کتاب میں اسلامی اخلاق کو مکمل طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ کو احادیث کی رو سے عام فہم زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے زندگی کے اہم امور کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ قیمت دو روپے ... ... (عہ)

ملنے کا پتہ

شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار۔ لاہور